

# پسندیدہ فتح پر کوچھ معارف

مدیر:  
سید شاہد باشی

MA'ARIF FEATURE

ناگہ مدین: مفتخر خان، سید معین اللہ حسینی، نوید نون۔ معاون مدین: غیاث الدین، محمد میمود قادری

ڈی - ۳۵، بلاک - ۵، فیڈرل بی ائیریا، کراچی۔ ۷۵۵۵۰

فون: ۰۳۶۲۳۹۸۲۰-۰۳۶۸۰۹۲۰، فکس: ۰۳۶۲۳۹۸۲۰-۰۳۶۸۰۹۲۰،

برنی پا: www.irak.pk، ویب گاہ: irak.pk@gmail.com

- ۱۔ معارف فتحیجہ ہر ماہ کی یہ سولہ تاریخوں کو شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں دنیا بھر سے (ہمیں) دستیاب انی معلومات کا انتساب پیش کیا جاتا ہے جو اسلام سے دوچیزی اور ملت اسلامیہ کا در رکھنے والوں کے خور و فکر کے لئے انہم یا مفہوم ہے۔
- ۲۔ پیش کیا جانے والا لواز میں عاموم بلا تصریح شائع کیا جاتا ہے۔ کسی مضمون، نقطہ نظر، خیال یا معلومات کے انتساب کی وجہ سے ہمارا تقاضہ نہیں اس کی ایمیت ہوتی ہے۔ کسی مضمون یا معلومات کی مدلل تردید یا اس سے اختلاف پیش کیا اور مکمل جگہ دی جائی ہے۔
- ۳۔ معارف فتحیجہ کو ہر یہ یہ بانے کے لیے مقدم معلومات کے حصول یا ان کے ذریعہ تک رسائی میں آپ کی مدد کا خیز مقدم کیا جائے گا۔
- ۴۔ ہمارے فراہم کروہ لواز کے طریقہ تجارتی ایام اجادت ہے۔
- ۵۔ معارف فتحیجہ کو کوئی قیمت مقرر نہیں۔ تاہم عطیات کی ضرورت بھی رہتی ہے اور عطیات قبول بھی کیے جاتے ہیں۔ اسلامک ویسوسج اکیڈمی کوچھ میں

کا کہنا ہے کہ یعنی یا ہو حکومت ہاتے میں دوبارہ کامی کا سامنا کرچکے ہیں، اس لیے اب انہیں بٹانے کا وقت آگیا ہے۔ گدیوں سارا کام موقوف ہے کہ دوبارہ نہما ہونے والی یہ ناکامی لکھوکی جلیں کمزور کرنے کا بھی باعث ہے۔ لوگ پارٹی کو بھی کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔

موافقنے کی تحریک نے یعنی یا ہو کی پوزیشن خاصی کمزور کرو کر دی ہے۔ لوگ سوال کرنے لگے ہیں کہ کیا کوئی ایسا شخص وزیر اعظم بن سکتا ہے، جسے موافقنے کا سامنا ہو۔ یہ تسلیم کہ ابھی تقدیم کا آغاز نہیں ہوا اس رفوج ہر جامنکی کی ہے، مگر وہ متذکر تو ہو ہی پچھے ہیں۔ ایکشن تک تو تقدیم کی کارروائی شروع نہیں ہو گی اور شاید اس کے بعد بھی چدماد تک یہ معاملہ طول پکڑے مگر خیر موافقنہ ہونا تو ہے۔

ایسے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ امریکی کیا چاہتے ہیں؟ کیا وہ اس صورت حال سے کوئی تعطیل رکھتے ہیں؟ کوئی امر و ادا کر سکتے ہیں؟ یا کوئی کروڑا کروڑا اپریل میں گولان کی پہاڑیوں پر اسرائیلی ووے کو قبول رکھنے میں یعنی یا ہو کی پوزیشن مضبوط کرنے کی اپنی کوشش کی تھی

## اندر وطنی صفات پر

- کوالا لمپور سٹ: اکٹھ مہاتیر محمد کا اقتداری خطاب
- "امریکا بہت پہلے افغان جنگ پار چکا"
- سعودی عرب، ایران تعلقات اور مغرب کی ترجیمات
- کویت میں بدلنا ہوا نظام و بادی میں
- سحر خیزی: کامیاب افراد کی عادت
- بھارت: مسلمانوں کے لیے ایک اور امتحان
- امریکا اور اخوان اسلامیوں کے مابین تاریخ نہماں
- قاسم سليمانی کا قتل، امریکا کی ایک اور غلطی

## یعنی یا ہو کے انجام کا آغاز؟

**Aaron David Miller**

تو یعنی یا ہو حکوم اس اتحاد قائم کرنے میں ناکام رہے یعنی حکومت نہ بٹائی جاسکی۔ پھر تمہری انتخابات کرنا پڑے، مگر اس پارٹی پیش یا ہو حکومت تخلیل دینے میں ناکامی سے دوچار ہوئے۔ اسرائیل سیاسی انتشار سے تقبیہ ہو چکا ہے مگر اس سے بڑا بحران یہ ہے کہ یعنی یا ہو پیچھے ہے کو تیار نہیں اور کسی نہ کسی طور اقتدار سے پیچے رہنا چاہتے ہیں۔

سوال صرف یا ہو کا نہیں۔ نومبر ۲۰۱۹ء کے اوخر میں اماری جزوی نے یعنی یا ہو کے غلاف موافقنے کی تحریک پیش کر دی۔ اب انہیں موافقنے کے حوالے سے مدد کا سامنا ہے، یعنی سوال شخصی یا ذاتی آزادی کا بھی ہے۔ جب تک وہ وزیر اعظم کے مصب پر فائز ہیں، موافقنے سے محفوظ ہیں۔ ہو سکتے ہے کہ وہ پلی بارگیں کے ذریعے موافقنے سے بچ لٹکتے ہیں۔ وزیر اعظم ہوتے ہوئے بھی ان پر فوج و جنم تو عالمکی حق جا پہنچتے ہیں۔ کسی کے وہم و ممان میں بھی یہ بات نہ ہوئی کہ اسرائیل کو ایک سال سے کم مدت میں تیری بار عام انتخابات کی چوکھت پر سجدہ رینہ ہونا پڑے گا۔ بلیکن زد انت پارٹی کے سربراہ میتھی گیخڑ آئیں مشبوہ حریفین، کہا جھے ہیں۔ وہ سری طرف یعنی یا ہو کی جانب اگلا ہے کہ حالات کا تھوڑا ایہٹا فائدہ یعنی یا ہو کو مل سکتا ہے۔ اُن کی پوزیشن اچھی نہیں۔ روشن یہ ہے کہ ایام پرانیں موافقنے کا بھی سامنا ہے۔ حکومت بٹانے میں ناکام نے اُن کی پوزیشن مزید کمزور کرو بہت: ہم علاقائی حالت اُن کے حق میں جاتے تکھائی دے رہے ہیں۔ ایک زمانے سے اسرائیل کو خطے میں ایسی ماذل کی حیثیت حاصل رہی اپنی تھی پارٹی یعنی لکوڈ میں بھی ماذل کا سامنا ہے۔ اُن کی مخالفت بڑھتی جا رہی ہے۔ سابقہ کینٹکٹ فری گد بیوں سارے ہے، جسے قابل تقلید قرار دیا جاسکتا ہے۔ اب یہ ماذل خرایوں نے یعنی یا ہو کے غلاف جانے کا اعلان کر دیا ہے۔ گد بیوں سارے کی نذر ہو چکا ہے۔ گزشتہ برس اپریل میں عام انتخابات ہوئے

# کوالا لمپور سمٹ: ڈاکٹر مہاتیر محمد کا افتتاحی خطاب

سے کم اپنی لٹکو کے ذریعے تینیں معلوم ہو سکتے کہ کیا غلط ہوا ہے۔ اگرچہ عالم اسلام کو بیدار کرنے کے لیے ان بڑا ہوں کا خاتمہ نہ کیا گیا، تاہم اس کا حل ڈھونڈ سکتے ہیں۔ امت کو سائل اور ان کے اسab کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے، جو درجیں آفات سے نجٹے یا اس کے خاتمے کے راستے پر وہی دال سکتا ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ دوسری عالمی جنگ سے جاہ حال دیگر مالک نصف جزیری سے ترقی کر رہے ہیں بلکہ ترقی پذیر ہونے کے لیے ہبھٹی سے پڑھ رہے ہیں، لیکن کچھ مسلمان ممالک اچھی طرز تحریر اپنی سے قاصر نظر آتے ہیں، ترقی یا فتح اور خوشحالی کے امکانات کم ہیں۔

کیا اسلام دنیا کی کامیابی اور ترقی یافتہ ملک بننے کے خلاف ہے؟ یا یہ خود مسلمان ہیں جو اپنے ممالک کو ترقی یافتہ ہونے سے روکتے ہیں۔

ان امور پر ریاست کے اعلیٰ سطح پر تبادلہ خیال کیا جائے گا، لیکن اس کے لیے صرف چند ممالک ہی شامل ہوں گے۔ پوری دنیا کے مسلم ممالک کو سنجانا ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ ناجائز ہو گا کہ خیلے کیے جاتے ہیں اور جو یہ کروہ مل قائل عمل نہیں ہو سکتے ہیں۔

ہم کسی کو انتیازی سلوک یا الگ تحلیل نہیں کر رہے ہیں، ہم شروع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اگر یہ نظریات، تجاوز اور حل قابل قبول ہیں اور قابل عمل ثابت ہوتے ہیں تو ہم امید رکتے ہیں کہ اس پر خور و فکر کے لیے ہرے پیٹ فارم تک لے جائیں۔ اس کے باوجود ہم نے تقریباً تمام مسلم اقوام کو بھی خفظ سطح پر اس سمت میں شرکت کی دعوت دی ہے۔

ہم ممتاز شرکا کے خیالات اور انسانی کوئی نہیں کے منتظر ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اس سربراہی اجلاس کے ذریعے ہم اپنے ممالک حل کرنے کی طرف تھوڑا آگے بڑھیں۔ الل تعالیٰ اس شان کو بخال کرنے کی اس چھوٹی سی کوشش میں ہمیں کامیابی سے نوازے، جو ہمارے دین اسلام کی حیثیت سے پیش کی جاتی تھی۔ آمین!

(موجہ: بہتانہ اختر یون، عجروالہ۔ جنوری ۲۰۲۰ء)

سب سے پہلے میں مسلم قائدین اور اسکا لرز اور ان کے بیوی کاروں کی اس سمت میٹنگ میں آپ کی موجودگی کے لیے آپ کا تکریب ادا کرنا چاہتا ہوں۔

میں اس سربراہی اجلاس کے مقاصد کو تھوڑے طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں، ہم بہاں مذہب کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے کے لیے نہیں بلکہ مسلم دنیا میں اموری سورج اس کے راستے پر وہی دال سکتا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ مسلمان، ان کے نہب اور ان کے مالک بھر جان کی حالت میں ہیں۔ ہم جہاں بھی مسلمان ممالک کو جاہ ہوتے دیکھتے ہیں، ان کے شہری اپنے ممالک سے بھاگنے اور غیر مسلم ممالک میں پناہ لینے پر مجید ہیں۔ ہزاروں لاٹاں کے دروازے مرجاتے ہیں اور ہر ہتھ سے افراد ویساں پناہ دینے سے انکار کرنا یا جاتا ہے۔

دوسری طرف ہم مسلمان تشدد کارروائیوں کا ارتکاب کرتے ہوئے، بے گناہ متأثرین مرد، خواتین، بچوں،

بیویوں اور مخدور افراد کو بلاک کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

انہوں نے یہ کام اتنے لیے کیا ہے کہ ان کے اپنے ممالک ان کو سکورٹ فراہم کرنے میں ناکام ہیں یا دوسروں کے قبضے والی اراضی پر قبضہ کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ مالیاں اور ناراض، وہ اپنے مقاصد کےصول کے لیے کسی بھی طرح پر تشدد و عمل کا اہمبار کرتے ہیں۔ وہ بدل لیتے ہیں لیکن وہ جو بھی کام کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہی مذہب اسلام کو بد نام کریں۔ انہوں نے اپنے عمل سے خوف پیدا کیا ہے، اور اب اس اسلاموفویا، اسلام کے اس بلا جواز خوف نے توارے مذہب کو دنیا کی نظر میں بد نام کر دیا ہے۔ لیکن نہیں یہ جانتے کی ضرورت ہے کہ یہ خوف کس طرح پیدا ہوتا ہے، چاہے یہ یقین ہے یا محض ہمارے مخالفین کا پروپیگنڈا ہے یا وہاں کا جمود۔

پھر ہمیں خاتم جنگیوں اور ناکام حکومتوں سے نہنا ہے، جنہوں نے اس سمت مسلم کو تباہی سے دوچار کیا ہے، ان کو قوم کرنے، کم کرنے یا مذہب کی بھال کے لیے کوئی سمجھیدہ کوشش نہیں کی جا رہی ہے۔ ہاں اسلام، مسلمان اور ان کے ممالک بھر جان کی حالت میں ہیں، بے لیس اور اس عظیم مذہب سے تاؤاقف ہیں جس کا مقصد تین نوع انسان کے لیے بھائی ہے۔

ان وجوہ بات کی بنا پر سمت میٹنگ کا اجتمام کیا گیا ہے کہ اور اس کے بعد فلسطینی علاقوں پر قبضہ کر کے قائم کی جانے والی اسرائیلی نوازدیوں کو بین الاقوامی قانون سے غیر متصادم قرار دے کر انہوں نے بینن یا ہو کی پوزیشن مزید بہتر بنانے کی پوشش کی اس کے نتیجے میں انجمنی دائیں بازوں کی بیانہ خصوصی ہوئی۔ اس وقت صدر قریب خاموش ہیں کیونکہ انہیں خود بھی موافقے کی کارروائی کا سامنا ہے۔ انہوں نے بینن بینن یا ہو کے حقیقتی سے البتہ گزیر خیس کیا ہے۔ انہوں نے بینن گیتھر کو جلیٹ کیا کہ قومی اتفاق رائے پر منی حکومت بنا کر امریکا اسرائیل و فاعلی معابدے کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ خیر، فی الحال امریکی حمایت سے بینن یا ہو کی اجتماعی کامیابی کا امکان دکھائی نہیں دے رہا۔ بینن یا ہو کی طاقت میں کمی واقع ہو یا بھی ہے۔ ۱۹۷۳ء میں قیام کے بعد سے اب تک لکوڈ کے صرف چار سر بر او گزرے ہیں۔ اور اپنے کسی سر بر او کو برطرف رہا اس پارٹی کے ذکر این اے کا حصہ نہیں! ایسا لگتا ہے کہ فی الحال داکیں بازو کے حلیف بھی بینن یا ہو کو تھیں جھوٹیں جھوٹیں گے۔ وہ لیکن میں ایک مضبوط حریف یا ”فاعی پیغمبرین“ کی حیثیت سے حصہ لیں گے۔

اسرائیل یا ہو کے حقیقتی میں سیاسی انتہا سے تین ماہ بہت ہوتے ہیں۔ اور اگر خلیل میں ایک اور چنگ کا امکان دکھائی ہوئے ہیں۔ اور باہمی تقویتیں مدد اور بہت بڑی مدد کا درجہ رکھتے ہیں۔ خلیل کی تحریری سے بدقیقی ہوئی صورت خال خلیل کو نہیں سے کہیں لے جائے گی۔ اگر اسرائیل کے لیے قومی سلامتی کا بھر جان بیبا ہو تو اسی تقویتی معاشرات بینن یا ہو کے حق میں جائیں۔

خریجتیں یا ہو کی ممکن تکاست کی صورت میں ایک ورقہ ہونے کو ہے۔ بینن گیتھر کی پوزیشن مضبوط ہے۔ حال ہی میں کیے جانے والے ایک سروے کے مطابق اگر فری طور پر انتخابات کرائے جائیں تو وہ لکوڈ پارٹی پر چار انشتوں کی برتری حاصل کر لیں گے۔ حکومت بنانے کے لیے کیسیت میں ۱۴ انشتوں کا صولہ لازم ہے۔ فی الحال کوئی بھی پارٹی اس پوزیشن میں دکھائی نہیں دے رہی۔ حکومت حاصلی میں دو بارہ و نہا ہونے والی ناکامی، موافقے کی تحریریک، وہروں کی جھلکن..... ان تمام جھوٹیں نہیں کر رہیں یا ہو کے لیے خطرے کی جھلک تو بھروسی ہے۔ اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ ان کے حقیقی اور حقیقی زوال کو تمہل ہونے میں کتنا وقت لگے گا۔ (ترجمہ: محمد راجح خان) "Is it the beginning of Netanyahu's end?" ("carnegieendowment.org", Dec. 12, 2019)

ہوا، لیکن لاکھوں افغان اور ۱۳۰۰۰ امریکی فوجی بلاک ہوئے۔ امریکا افغانستان میں سیاسی استحکام قائم کرنے میں ناکام رہا، آج بھی سیاسی صورت حال وہی ہے، جو طالبان کا تختہ اتنے وقت تھی۔ یہ بات تجزی کے ساتھ واثق ہوتی ہے جو اسی

ہے کہ افغانستان کی تقدیر کا فصل افغان عوام ہی کریں گے۔ اس طرح کی گواہی ایک خصوصی حکمت عملی کا حصہ تھی۔ سابق وزیر دفاع ڈولڈ رم فیلڈ کے عملے نے ایک رپورٹ ۲۰۰۶ء میں تیار کی، جو صرف خوش کن اطلاعات سے ہر زین تھی۔ جزول ذین کے میک نیل نے ۲۰۰۶ء میں زبردست پیش رفت کے بارے میں بتایا۔ اس وقت کے امریکی صدر باراک اوباما اور وزیر دفاع لیون پیچانے دعویٰ کیا کہ امریکا نے جنگ کا پاتر پیٹ دیا ہے۔ اس سلسلے والے گے بڑھاتے ہوئے ۲۰۱۴ء اور ۲۰۱۷ء میں جزول پیٹریاس نے بتایا کہ امریکی فوج مشکلات سے نکل آئی ہے۔ پانچ برس بعد جزول جان کمسن نے ان خوشخبری ہرے یہاں کوئی دھرا رہا، لیکن یہ سب لوگ غلط تھے، کیونکہ افغانستان کے حالات مسلسل گزرتے ہار ہے تھے۔ امریکی حکام کی جانب سے ایک ہی جسکی بیان باذی کی طویل تاریخ شرعاً کے ہے۔ اعلیٰ حکام سے اکر نچلے درجے کے اہلکاروں کی جانب سے خوشخبریوں کے باوجود افغانستان میں امریکی کوششوں کے ناکام ہونے کے شہود موجود تھے۔ یہ امریکی عہدیداروں نے

افغانستان کی تیغروں کے خصوصی اسپکٹر جان سو کپوکی بہت سی تقدیری رپورٹ اظاہر و ڈھنکن پوسٹ کی جانب سے جاری ہوا۔ اسی میں اتنا جھوٹ ہے کہ اگر افغانستان سے

Everyone knows America lost Afghanistan long ago". ("Foreign Policy", Dec. 16, 2019)

(ترجمہ: سید طالب اختر)

افغانستان کا قتل، امریکا کی ایک اور غلطی

کی کرنلوٹے گی اور اقتدار اعتماد پسندوں کو نشکل ہونے کی راہ ہموار ہوگی۔ امریکی پالیسیوں نے ایران کو مشرق و سطی میں ڈگو گرپ کھرے کرنے اور دھمکی بیٹک جاری رکھنے کی ترجیب دی ہے اور ایسا لٹاہے کہ ایرانی قیادت فی الحال اس راہ سے بٹھنے کو تیار نہیں۔ ایران میں شدت پسندوں کو مضبوط تر بنانے والے اقدامات سے امریکا کی ایران پالیسی کی وقت کم ہو گی۔ بنیادی غلطیوں سے وہ سب کچھ ہوتا رہے گا، جن سے امریکا پہنچنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ (ترجمہ: محمد ابراہیم خان)

"The killing of Qassem Soleimani:

The US misreads the tea leaves".

("theglobalist.com", January 4, 2020)

## "امریکا بہت پہلے افغان جنگ ہار چکا"

**Stephen M. Walt**

جنگ شروع ہوتے و ڈھنکن پوسٹ نے افغانستان میں جاری طویل اور ناکام امریکی جنگ کے حوالے سے بڑے بیانے پر دستاویزات شائع کیں۔ جس کو سیویل موئن اور اسٹین ورنکم ایک نہ ختم ہوئے والی جنگ قرار دے چکے ہیں، اگرچہ اس اشتاعت کے اثرات ویسٹ نام جنگ کے دور میں شائع ہیں گون و دستاویزات کی طرح انتہائی نہیں ہوں گے، لیکن یہ اشتاعت امریکا کی تویی سلاحتی پالیسی کو سمجھنے کے لیے اہم ضرور ہے۔

ایک ایسے وقت میں جب موازنے کی کارروائی ناکمل ہے، ترمپ کی جانب سے تباہ کن فیصلوں کا سلسہ جاری ہے اور رئی پبلکن پارٹی توہینہ ہی غیر فرد دار رہی ہے، ان حالات میں یہ انشاف ہونا کہ امریکی حکام نے جنگ کے حوالے سے اپنے خدمات چھپائے، انہیں پتا تھا کہ جنگ میں امریکی حکومت ناکام ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے پوری صورت حال تبدیل ہو سکتی ہے۔ یہ امریکی عہدیداروں نے خواہ جھوٹ نہیں بولا بلکہ اتنیں گمراہ نیا ہے، خاص کر افغان جنگ کے بارے میں اپنے خدمات کو حکومتی رازداری میں روک کر دستاویزات سے پیچا ہے کہ حکومت جانچتے ہے کہ افغان حکومت بد عنوان اور ناقابل اعتبار ہے، پاکستان طالبان کی مدد سے کمی پیچھے نہیں ہے گا، ایسے میں امریکا حکومت عملی حالات سے بے خبر اور اتفاقات سے بے ہم ہو چکی۔

ان حقائق سے امریکی عوام اور کامگیریں واگاہ کرنے کے بجائے سول اور فوجی حکام عوامی حمایت اور کامگیریں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے جنگ کے بارے میں بار بار حوصلہ افزای رپورٹ پیش کرتے رہے۔ مثال کے طور پر وکیپیڈیا ۲۰۰۹ء میں افغانستان میں امریکا کے سب سے اعلیٰ کمانڈر جزول میک کرشنل نے کامگیری کی کمی کو بتایا کہ "ان ۱۸ ماہ اس جنگ کے لیے فیصلہ کن ہیں اور بالآخر فتح ہماری ہوگی، ہم اپنے اس میش کو مکمل کر سکیں گے۔" ان کے جانشین جزول ڈیوڈ پیٹریاس نے بھی ایک سال بعد ایسی ہی امید افراحتگوکی، حالانکہ اس وقت امریکی اعلیٰ عہدینے رپورٹ کچھ اور کہہ رہی تھیں۔

زیادہ حقوق حاصل ہیں، افغانوں کو انتخابات کا تحریک حاصل

گزشتہ بخش و ڈھنکن پوسٹ نے افغانستان میں جاری طویل اور ناکام امریکی جنگ کے حوالے سے بڑے بیانے پر دستاویزات شائع کیں۔ جس کو سیویل موئن اور اسٹین ورنکم ایک نہ ختم ہوئے والی جنگ قرار دے چکے ہیں، اگرچہ اس

اشاعت کے اثرات ویسٹ نام جنگ کے دور میں شائع ہیں گون و دستاویزات کی طرح انتہائی نہیں ہوں گے، لیکن یہ

اشاعت امریکا کی تویی سلاحتی پالیسی کو سمجھنے کے لیے اہم ضرور ہے۔

ایک ایسے وقت میں جب موازنے کی کارروائی ناکمل ہے،

اور رئی پبلکن پارٹی توہینہ ہی غیر فرد دار رہی ہے، ان

حالات میں یہ انشاف ہونا کہ امریکی حکام نے جنگ کے

حوالے سے اپنے خدمات چھپائے، انہیں پتا تھا کہ جنگ میں

امریکی حکومت ناکام ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے پوری

صورت حال تبدیل ہو سکتی ہے۔ یہ امریکی عہدیداروں نے

خواہ جھوٹ نہیں بولا بلکہ اتنیں گمراہ نیا ہے، خاص کر

افغان جنگ کے بارے میں اپنے خدمات کو حکومتی رازداری میں روک کر دستاویزات سے پیچا ہے کہ حکومت جانچتے ہے

کہ افغان حکومت بد عنوان اور ناقابل اعتبار ہے، پاکستان طالبان کی مدد سے کمی پیچھے نہیں ہے گا، ایسے میں امریکا

حکومت عملی حالات سے بے خبر اور اتفاقات سے بے ہم ہو چکی۔

ان حقائق سے امریکی عوام اور کامگیریں واگاہ کرنے کے

بجائے سول اور فوجی حکام عوامی حمایت اور کامگیریں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے جنگ کے بارے میں بار بار حوصلہ افزای رپورٹ پیش کرتے رہے۔ مثال کے طور پر وکیپیڈیا ۲۰۰۹ء میں

افغانستان میں امریکا کے سب سے اعلیٰ کمانڈر جزول میک کرشنل نے کامگیری کی کمی کو بتایا کہ "ان ۱۸ ماہ اس جنگ

کے لیے فیصلہ کن ہیں اور بالآخر فتح ہماری ہوگی، ہم اپنے اس

میش کو مکمل کر سکیں گے۔" ان کے جانشین جزول ڈیوڈ پیٹریاس نے بھی ایک سال بعد ایسی ہی امید افراحتگوکی، حالانکہ اس

وقت امریکی اعلیٰ عہدینے رپورٹ کچھ اور کہہ رہی تھیں۔

معارف فیجی

# سعودی عرب، ایران تعلقات اور مغرب کی ترجیحات

Cinzia Bianco

اقدامات تدبیری سے زیادہ تذویری تو نویت کے ہیں۔ مغرب کو چاہیے طبقی طاقتیوں کو آگے لائے تاکہ ویر پا اور سمجھم عمل کے ذریعے کشیدہ تعلقات میں بھتری لائی جاسکے۔

سعودی عرب نے اب تک باختاب طور پر فرانس کے صدر عمانویل میکرون کی ایران کے ساتھ بھرپوری تو انی معاہدے کی تجدید کے حوالے سے بات چیت سے انکار نہیں کیا۔ اتنی مہینے سعودی وزارت خارجہ نے اعلان کیا ہے کہ فرانس کے ساتھ تذویری سطح پر اشتراک عمل کے فریم ورک پر کام کر رہے ہیں۔ محمد بن سلمان براہ راست میکرون کے ساتھ رابطے میں ہیں۔ لیکن یہ بات دہن میں وہی چاہیے کہ ماگروں اقدامات کے پچھے موانعات اپنی جگہ موجود ہیں:

اول یہ کہ اس سارے عمل میں اگرچہ جرمی اور پکھڑ اور مغربی مالک کی حمایت شامل ہے لیکن اس مرحلے پر یہ بہت دن راتی اور انفرادی تو نویت اور تفصیلی ترجیحات کا حامل ہے، اور جس قدر سفارتی سطح پر کوششوں کی ضرورت ہے اس میں بھی کی ہے۔ درستایہ کہ اب تک یہ بھی نہیں معلوم کہ اس سارے عمل میں امریکا کی کتنی اور سیکھی حمایت حاصل ہو گی۔ سب سے انہی ہی کہ ایران ایسے کسی بھی مذاقہ عمل کا حصہ بننے کو تیار نہیں ہوگا جس میں اس کی حیثیت کمزور ہو اور جس سے سعودی عرب کو کسی بھی تمدن کا فائدہ حاصل ہو۔

ریاض اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ بات چیت اور مذاکرات ہی کے ذریعے علاقائی طاقتیں آگے بڑھ عکن ہیں۔ انہیں خطکے کی بدلتی صورتحال کا دراکہ ہونا چاہیے۔ تاہم، وقت، تناظر اور حالات اسی سعودی عرب کی مستقبل کی حیثیت کو مستین کرے گا۔ انہی وجوہات کی بناء پر سعودی عرب اس وقت خطکے کی وقاری صورتحال کے حوالے سے کسی بات چیت کے لیے تیار نہیں۔ اگر مغرب فرانس کی قیادت میں ہریدر مستقبل نویت کے بتانے پر کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے تدبیری نویت سے آگے دیکھتے ہوئے خطکے کے ان اہم مسائل پر توجہ دے جس کا تعلق براہ راست یا بالا و است ایران اور سعودی عرب سے ہے۔ مغرب کو خطکے کی سیاسی اور جغرافیائی صورتحال کو مانند رکھتے ہوئے ایک متوازن اور پانیدار میں کے لیے کوششیں کرنی چاہیے جو کہ پہلے سے زیادہ حقیقت پہنچ ہوتا کہ اس کے ذریعے مستقبل میں ایران کے کروار کے حوالے سے تین الاقوامی سطح پر ٹھوں بات چیت اور اقدامات کی جاسکے۔

(ترجمہ جوہر احمد صدیقی)

کی پالیسی سے تخفیف الحدود ہو سکا البتہ امریکا نے پس پر وہ رہ کر سعودی عرب کو بہت سارے اقدامات کے لیے چار کیا۔

اگرچہ سعودی عرب نے کبھی بھی از خود ایران سے کشیدے گی اور تباہ کو پیش کر دیا ہے۔ ریاض نے حکمت عملی اور صبر و تحمل کے ساتھ اپنے بیانی کو پیش کیا تاہم، امریکی کی جانب سے ایران پر معافی پاپنڈیوں میں اضافے کی حمایت کی تاکہ تہران کو

مذاکرات کی بھرپوری لایا جاسکے۔ تجھر حملے نے اس غلطے کو اور زیادہ واضح کر دیا کہ ایران کے معاملے میں بہت زیادہ امریکی

میں رہنڑ کیا جائے گا۔ شہزاد کو مقامی مارکیٹ تک مدد و رکھ کے کی وجہ شاہی خاندان میں اختلاف ہے، اسی وجہ سے اس عمل کو

مؤخر کیا گیا تھا۔ سعودی عرب کی اس اہم ترین کمپنی کی شہزاد کو

تین الاقوامی اسٹاک مارکیٹ تک رسائی نہ دینے کی ایک وجہ

اسکرپٹی کا سخت نظام اور سعودی عرب کا کوئی دبایوں سے جاری اپنی توہی شاخت پر فتح را در قومیانے کا تھا۔

تاہم اس مدد و پیشکش کے آغاز سے محمد بن سلمان کی مستقبل کی ترجیحات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ محمد بن سلمان کی خواہش ہے وہن ۲۰۳۰ء کی تھیکل کے لیے عوامی سرمایہ کاری میں اضافے کیا جائے۔ کثیر جمیت معاشر مخصوصے اور اپنے ارادے پر استقامت اس بات کی علمات ہے محمد بن سلمان موجودہ ولایات کے برکس کیمپ نیا کرنا چاہتے ہیں۔ سڑویاری سطح پر اس مخصوصے کی اہمیت اس لیے بھی ابھر ہے کہ تہران ۲۰۱۹ء میں آراؤکو پر حملے کے بعد سعودی بیانیہ کا سامنے آئے ضروری ہو گیا تھا۔ ایران کی جارحانہ پالیسیاں اور رویے نے اس صورتحال کو ہریدر مشکل بنادیا تھا۔ ریاض، اب سمجھی گی سے ان جیلنجز سے منٹے کی تیاری کر رہا ہے۔

ستبرے پیشتر ریاض میں کچھ افراد کا خیال تھا کہ پاسداران

انقلاب براہ راست اس اہم ترین سعودی ایک ریپاکٹر پر حملہ یا باواستہ اس کام میں مجاہد کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کا اثرام

سعودی عرب خود، امریکا اور ای قومی کمپنی ایران پر لگائے چکے تاکہ وہ طور پر سچی تھیں میں غاذہ لگنے سے بچا جاسکے۔

۲۰۱۸ء سے اس غلطہ ولایات کا آغاز ہوا جب سابق وزیر

ملکت میتب الایمن نے دوبارہ سعودی حکومت میں مجال

خانگی کی قتل کے بعد کلیدی عبیدہ حاصل کر لیا، گر شہزادہ مہینے

میں اس عمل میں تجزی آئی ہے۔

تاہم سعودی عرب کی جانب سے کیے جانے والے اکثر

بالآخر وہ موقع بھی آگیا جس کا سعودی ولی عہد شاہ محمد بن سلمان و مطہل عرصے سے انتظار تھا۔ ریاضی انتظام کے تحت

چلنے والی تھیں کی سب سے بڑی کمپنی "آراؤکو" نے عوام کے ساتھ اپنے بیانی کو پیش کیا تاہم، امریکی کی جانب سے ایران

پر معافی پاپنڈیوں میں اضافے کی حمایت کی تاکہ تہران کو

مذاکرات کی بھرپوری لایا جاسکے۔ تجھر حملے نے اس غلطے کو اور زیادہ واضح کر دیا کہ ایران کے معاملے میں بہت زیادہ امریکی

میں رہنڑ کیا جائے گا۔ شہزاد کو مقامی مارکیٹ تک مدد و رکھ کے کی وجہ شاہی خاندان میں اختلاف ہے، اسی وجہ سے اس عمل کو

مؤخر کیا گیا تھا۔ سعودی عرب کی اس اہم ترین کمپنی کی شہزاد کو

تین الاقوامی اسٹاک مارکیٹ تک رسائی نہ دینے کی ایک وجہ اسکرپٹی کا سخت نظام اور سعودی عرب کا کوئی دبایوں سے جاری اپنی توہی شاخت پر فتح را در قومیانے کا تھا۔

تاہم اس مدد و پیشکش کے آغاز سے محمد بن سلمان کی

مستقبل کی ترجیحات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ محمد بن سلمان کی خواہش ہے وہن ۲۰۳۰ء کی تھیکل کے لیے عوامی سرمایہ کاری میں اضافے کیا جائے۔ کثیر جمیت معاشر مخصوصے اور اپنے

ارادے پر استقامت اس بات کی علمات ہے محمد بن سلمان موجودہ ولایات کے برکس کیمپ نیا کرنا چاہتے ہیں۔ سڑویاری سطح پر اس مخصوصے کی اہمیت اس لیے بھی ابھر ہے کہ تہران ۲۰۱۹ء

میں آراؤکو پر حملے کے بعد سعودی بیانیہ کا سامنے آئے ضروری ہو گیا تھا۔ ایران کی جارحانہ پالیسیاں اور رویے نے اس

صورتحال کو ہریدر مشکل بنادیا تھا۔ ریاض، اب سمجھی گی سے ان جیلنجز سے منٹے کی تیاری کر رہا ہے۔

ستبرے پیشتر ریاض میں کچھ افراد کا خیال تھا کہ پاسداران

انقلاب براہ راست اس اہم ترین سعودی ایک ریپاکٹر پر حملہ یا باواستہ اس کام میں مجاہد کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کا اثرام

سعودی عرب خود، امریکا اور ای قومی کمپنی ایران پر لگائے چکے تاکہ وہ طور پر سچی تھیں میں غاذہ لگنے سے بچا جاسکے۔

۲۰۱۸ء سے اس غلطہ ولایات کا آغاز ہوا جب سابق وزیر

ملکت میتب الایمن نے دوبارہ سعودی حکومت میں مجال

خانگی کی قتل کے بعد کلیدی عبیدہ حاصل کر لیا، گر شہزادہ مہینے

میں اس عمل میں تجزی آئی ہے۔

تاہم سعودی عرب کی جانب سے کیے جانے والے اکثر

"Saudi Arabia's frozen-conflict tactics".  
("ecfr.eu", November 7, 2019)

کمیں و ۱۶ جونی ۲۰۲۰ء

# کویت میں بدلتا ہوا نظام دباؤ میں

قابل ہو گیا۔ متوالیں میں اس وقت کا حکمران محمد صباح الصباح بھی شامل تھا۔ مبارک کے ۱۹ برس کے اقتدار میں برطانیہ نے کویت کو سلطنت عثمانی سے الگ ہونے والا ملک تسلیم کر لیا اور مبارک صباح الکیر کے نام سے مشہور ہو گیا۔ مبارک کو ہندوستان کا بائی تسلیم کیا جاتا ہے، تو میر ۱۹۱۵ء میں مبارک کی موت کے بعد اس کا انتقال ہو گیا، جس کے بعد مبارک کے دوسرے بیٹے سلمی نے فروری ۱۹۱۶ء میں اقتدار سنبھالا۔ اس کی بھی چار برس بعد ۱۹۲۰ء میں موت ہو گی۔ جس کے بعد جبار کا بیٹا احمد موجودہ حکمران کا باپ اقتدار میں آیا۔ ۱۹۱۵ء میں ایک کوشش سامنے آیا جو آزادی کے بعد ۱۹۴۲ء میں کویت آئین کا حصہ بن گیا، اس کو ارٹل ۷ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آئین کے مطابق حکمران کے جانشین کا مبارک الکیر کی نسل سے ہو نہ ضروری ہے۔ اگرچہ مبارک الکیر کے چار بیٹے تھے، جس میں جبار، سلمیم، حماد اور عبد اللہ شامل ہیں، لیکن جانشین علی طور پر صرف جبار اور سلمیم کی نسل تک محدود کردی گئی۔ اس نظام کے تحت دونوں خاندانوں کو ایک استثنی کے ساتھ حکومت کرنے کا بر ابر کا موقع دیا گیا۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء تک جبار نے حکومت کی، ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۱ء تک سلمیم نے حکومت کی، ۱۹۲۱ء سے ۱۹۵۰ء تک جبار کے بیٹے احمد نے حکومت کی۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۱۵ء تک سلمیم کی نسل سے حکومت کی۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء تک پھر سلمیم کی نسل سے شیخ جبار نے حکومت کی۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء تک جبار کی نسل سے شیخ جبار نے حکومت کی، ۱۹۳۰ء میں سلمیم کی نسل سے سعد کو حکمرانی کا حق تھا، ۱۹۳۰ء سے تا حال جبار کی نسل سے صباح الاعظم حکمران ہے۔ پاری باری حکومت کرنے کے کوشش کی خلاف ورزی ۲۰۰۶ء سے قتل صرف ۱۹۲۲ء میں ہوئی تھی، جب شیخ صباح کا نام اس کے سوتیلے بھائی امیر عبد اللہ کے جانشین کے طور پر دیا گیا، جو عبد اللہ کی ۱۹۲۵ء میں موت کے بعد حکمران بنا۔ صباح اور عبد اللہ دونوں کا تعلق سلمیم کی نسل سے تھا، کیوں کہ الصباح خاندان کی نسل و مشیوط امیریہ اروں کے درمیان بڑائی کی جو سے عبد اللہ کے جانشین کے نام پر اتفاق کرنے میں ناکام رہی تھی، اس لیے سلمیم کے خاندان کو ایک بار پھر ول عبد نامہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔ ایک تاریخ وان کے مطابق "اس نیچے سے ایک پر سکون مدت میسر آئی، جس سے مستقبل میں جانشینی کے مسئلے و بجز اداز میں حل کیا جائیں گا"۔ پاری

الصباح خاندان سے ہے جو وزیر صحت ہے۔ ۹۰ سالہ امیر

صباح الاعظم الصباح کو خرابی صحت کی وجہ سے ستمبر ۱۹۴۹ء میں

امریکی اصدر ڈرمپ سے ملاقات منسون کرنا پڑی تھی۔ امیر

کویت حکومت چلانے کا منفرد تحریر کرتے ہیں، وہ خط میں پر جوش

اوروز یا عظیم کی فمداریاں بھاڑکے ہیں، وہ خط میں پر جوش

ہالت کا کردار بھی ادا کر رکھتے ہیں، لیکن اس کے بر عکس

۸۲ سالہ ولی عہد نواف الصباح نے یہی برسوں سے میاست

اور حکومت میں کوئی تحریر کروار ادا نہیں کیا ہے۔ کویت میں

آبستہ آہستہ تجدی گردی ہے، اس وقت بظاہر الصباح

کے ساتھ تعلقات اکثر خراب رہتے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں کویت

کی برطانیہ سے آزادی کے ساتھ ہی بغداد نے اس کو عراق کا

لازی حصر فرارے دیا تھا، لیکن بغداد کا پانی فیصلہ وابس لینے پر

مجبد کر دیا گیا۔ جس کے بعد ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۱ء میں صدام

حسین کی جانب سے جملہ کر کے کویت پر قبضہ کرنے کی یادیں

آج تین دنیا بزرگ نے کے بعد ہم تازہ ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں

کویت نے ۱۵ امیرانی سفارت کار نکال براہ رکیے، جس سے

دو فوں ممالک میں شیدگی میں سخت اضافہ ہو گیا۔ اس واقعہ

سے دو برس قبل اسکے لیے پکڑی گئی تھیں، جس کا تعلق امیرانی

پاسداران انقلاب سے جوڑا گیا تھا۔ کویت نے سفارت

کاروں کا تعلق بھی اس اسلحے کے معاملے سے جوڑا کر ان کو ملک

چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔ ۱۹۶۸ء میں سعودی ولی عہد محمد بن

سلمان نے مشترک تبلیغ ذخیر کے حوالے سے بات چیز کے

لیے درہ اچانک ملتوی کر دیا، کیوں کہ دو فوں ممالک ایک

ایجاد کے پر مشتمل ہیں ہو سکے تھے۔ دیگر خلیجی عرب ریاستوں

کے بر عکس کوئی حکمرانوں کی طاقت پر معمولانہ ایسکی کے

وزریعہ لاغر ہاگی گئی ہے، یہ اسلامی حکومتی وزرا کی سخت

سر زنش کرتی رہتی ہے۔ حکمران خاندان الصباح معلم الحنان

نہیں بلکہ اقتدار میں شریک کار ہے۔ الصباح ایک تاجر

خاندان تھا، جس کو دیگر طاقتوں خاندانوں نے تجارت سے

الگ کر کے حکومت چلانے کے لیے منتخب کیا۔ تبلیغ کی

دریافت کے بعد اس خاندان کی حکمرانی کی نوعت تبدیل

ہو گئی۔ اگرچہ روابطی طور پر اجمم حکومتی عبدے جیسے وزیر عظیم،

نائب وزیر عظیم، وزیر دفاع، وزیر خارجہ، وزیر داخلہ الصباح

خاندان سے ہوتے ہیں، لیکن ابھی صرف ایک وزیر اعلیٰ

*Kristian Coates Ulrichsen  
and Simon Henderson*

کویت کے ۹۰ سالہ امیر صباح الاعظم الصباح کے موقع

جانشین ان کے ۸۲ سالہ سوتیلے بھائی ولی عہد نواف الاص

الصباح ہیں، لیکن اہم سوال یہ ہے کہ ان کا اگلا وارث کون

ہو گا۔ اس مضمون میں طبعی کی سب سے چھوٹی لیکن امیر تین

ریاست کی سربراہی کے دعوییداروں اور اس صورت حال کے

اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ کویت کے پاس دنیا کے تین کے

ذخیرے کا ۴۰ فیصد موجود ہے۔ اس ملک کے اپنے پانچ بیسوں

کے ساتھ تعلقات اکثر خراب رہتے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں کویت

کی برطانیہ سے آزادی کے ساتھ ہی بغداد نے اس کو عراق کا

لازی حصر فرارے دیا تھا، لیکن بغداد کا پانی فیصلہ وابس لینے پر

مجبد کر دیا گیا۔ جس کے بعد ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۱ء میں صدام

حسین کی جانب سے جملہ کر کے کویت پر قبضہ کرنے کی یادیں

آج تین دنیا بزرگ نے کے بعد ہم تازہ ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں

کویت نے ۱۵ امیرانی سفارت کار نکال براہ رکیے، جس سے

دو فوں ممالک میں شیدگی میں سخت اضافہ ہو گیا۔ اس واقعہ

سے دو برس قبل اسکے لیے پکڑی گئی تھیں، جس کا تعلق امیرانی

پاسداران انقلاب سے جوڑا گیا تھا۔ کویت نے سفارت

کاروں کا تعلق بھی اس اسلحے کے معاملے سے جوڑا کر ان کو ملک

چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔ ۱۹۶۸ء میں سعودی ولی عہد محمد بن

سلمان نے مشترک تبلیغ ذخیر کے حوالے سے بات چیز کے

لیے درہ اچانک ملتوی کر دیا، کیوں کہ دو فوں ممالک ایک

ایجاد کے پر مشتمل ہیں ہو سکے تھے۔ دیگر خلیجی عرب ریاستوں

کے بر عکس کوئی حکمرانوں کی طاقت پر معمولانہ ایسکی کے

وزریعہ لاغر ہاگی گئی ہے، یہ اسلامی حکومتی وزرا کی سخت

سر زنش کرتی رہتی ہے۔ حکمران خاندان الصباح معلم الحنان

نہیں بلکہ اقتدار میں شریک کار ہے۔ الصباح ایک تاجر

خاندان تھا، جس کو دیگر طاقتوں خاندانوں نے تجارت سے

الگ کر کے حکومت چلانے کے لیے منتخب کیا۔ تبلیغ کی

دریافت کے بعد اس خاندان کی حکمرانی کی نوعت تبدیل

ہو گئی۔ اگرچہ روابطی طور پر اجمم حکومتی عبدے جیسے وزیر اعلیٰ

نائب وزیر اعلیٰ، وزیر دفاع، وزیر خارجہ، وزیر داخلہ الصباح

خاندان سے ہوتے ہیں، لیکن ابھی صرف ایک وزیر اعلیٰ

دو ماہ بعد یعنی شیخ احمد کے سیاسی حامی الگی و متنازعات سامنے لے آئے، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ایک تباہی ارکان پارلیمنٹ بدنیوں میں ملوث ہیں، یہ جلدی کویتی تاریخ کا سب سے بڑا سیاسی کریشن کا اسٹینڈل بن گیا۔ اگست ۲۰۱۱ء میں لگائے گئے ابتدائی الزامات کے مطابق ۹۲ میں ڈالرو ارکان پارلیمنٹ کے اکاؤنٹس میں نفل کیے گئے۔ اکتوبر ۲۰۱۱ء میں ۱۶ ارکان پارلیمنٹ کے اکاؤنٹس میں ۳۵۰ میلین ڈالر نفل کرنے کے الزامات لگائے گئے، تاکہ پارلیمنٹ سے حکومتی پالیسیوں کی حمایت حاصل کی جائے۔ سول ارکان پارلیمنٹ کل قعدا کا ایک تباہی بتتے ہیں۔ اکتوبر ۲۰۱۱ء میں شیخ احمد کے قریبی اپوزیشن رہنماء ملکر نے اسلام عازم کیا کہ لاکھوں کوئی دینار کریمی بیک سے وزارت خارجہ کے ذریعے وزیر اعظم کو نفل کیے گئے۔ جس کے نتیجے میں ہارورڈ اور اوکسفورڈ سے تربیت یافتہ وزیر خارجہ شیخ محمد الصباح کو استعفی دینا پڑا، شیخ محمد الصباح اہم برکاری عہد سے پر فائز سلیم خاندان کے آخری فرد تھے۔ نومبر ۲۰۱۱ء میں ہرے مظاہروں کے نتیجے میں امیر صباح کو نہ چاہتے ہوئے بھی وزیر اعظم کے عہدے سے ناصر احمد کا استعفی منظور کرنا پڑا۔ یعنی چھ ماہ کے عرصے میں ہی شیخ احمد ال فہد اور ناصر احمد کے حامیوں نے ایک دوسرے کے پیشہ کو کامیابی کے ساتھ اقتدار سے نکالا یا ہر کیا، لیکن اس کے بعد بھی دو لوگوں کے درمیان جاری لڑائی ختم نہیں ہوئی۔ دسمبر ۲۰۱۱ء میں اس لڑائی میں ڈرامائی اضافہ ہو گیا، جب شیخ احمد کے حامیوں نے دھوکا کیا کہ ان کے پاس ایسی نیپ موجو ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ناصر احمد کوئی موجود ہے، کوئی مصروف ہے۔ جس کے بعد شیخ احمد اپریل ۲۰۱۲ء میں بغاوت کے الزامات ایک بار پھر عائد کیے گئے تو کوئی حکومت نے اس معاملے پر مسیدی یا میں بات کرنے پر نکل پا بندی عائد کر دی۔ مارچ ۲۰۱۵ء میں احمد ال فہد نے کوئی میلی وطن پر عوام سے معافی مالگتے ہوئے خالقین پر عائد بغاوت کے الزامات واپس لے لیے۔ جس کے بعد سے احمد ال فہد نے اپنا زیادہ تر وقت کویت سے باہر لے ادا رہے، اس دوران کوئی حکام نے احمد ال فہد کے حامیوں پر مختلف الزامات عائد کیے اور ان کو حراست میں بھی لے لیا۔ اس صورت حال نے احمد کے حامیوں کو بہت کمزور کر دیا۔ حامیوں کے نتیجے میں کویت میں سیاسی استحکام بحال ہو گیا، کیوں کہ کویت میں جاری نظام کو پہنچ رہے ہیں والوں کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔

جائے گا، جس سے الصباح خاندان میں پاری باری حکومت کرنے کا تصور نہیں ہو گیا ہے۔

**قومی اسکیل کا کردار**

اگر کویت میں ۲۰۰۶ء کے بعد اور خاص کر ۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۳ء تک جاری رہنے والی پیچیگی اور جدوجہد کو سمجھا ہے تو یہ سیاسی اسکیل کے جانشینی کے حوالے سے کروار کا لازمی جائزہ لینا ہو گا۔ کوئی آئین کا آرٹیکل چار جانشین میں متعلق ہے، جوئے آئے والے امیر کو جانشین مقرر کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ نئے ولی عہد کو قومی اسکیل کی مطلق اکثریت کی حمایت حاصل ہونا ضروری ہے۔ قومی اسکیل کی خلافت پر کوئی امیر نہیں تباول امیدواروں کو نامزد کرے گا تو قومی اسکیل میں سے کسی کا بھی انتخاب کر سکتی ہے۔ آرٹیکل پارٹی میں دیے گئے طریقہ کار کی وجہ سے الصباح خاندان میں جانشین کے خواہش مند افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ارکان اسکی شامل تھے، نے اقتدار کی مختلی دیا، کیوں کہ تشویش اس حد تک بڑھنے لگی تھی کہ سعد بن عبد اللہ کی صحبت حمدہ کا حلف الحلفے کے قابل بھی نہیں تھی، اس لیے الصباح خاندان کے سینئر افراد، جس میں ایک قومی اسکیل جائزخانی اور دیگر ارکان اسکی شامل تھے، نے اقتدار کی مختلی دیے بات بھیت کا آغاز کر دیا۔ ۲۳ جولائی ۲۰۰۶ء کو تمام ارکان پارلیمنٹ کے محققہ و دیجے ہوئے سعداللہ عبداللہ کے پروفیسر محمد الواب کا کہنا ہے کہ الصباح خاندان کے افراد ایک دوسرے کو کمزور کرنے کے لیے سیاسی اور معماشی جو توڑ کا حصہ بن جاتے ہیں، خاص کر ایک دوسرے کے خلاف بد خوانوں کے الزامات عائد کرنا عام ہاتھ ہے۔

**۲۰۱۲ء سے ۲۰۱۳ء تک جاری اندرونی لڑائی**

۲۰۰۶ء کے بعد الصباح خاندان میں اندرونی لڑائی بڑھ کی راہ ہوا کر دی۔ ۱۵ اگست کے بعد سے سلیم اور جبار خاندان کے درمیان باری باری حکومت کا کوشش تھا۔ جبار کے خاندان کے صلاح الداہم نے اپنا جانشین سلیم کے خاندان سے اور سیاسی زندگی کا بھی حصہ بن گئی۔ اس لڑائی کو کویت کے ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی بہت زیادہ پڑھا دیا گیا، جس میں الصباح خاندان، سیاسی اشرافیہ اور حزب اختلاف کے رہنماؤں کے میڈیا اداروں نے بڑھ چھا کر حصہ لیا۔

شروع کے بہت وسیع اثرات تھے، طاقت کا ارتکاز جبار خاندان میں ہوتا چلا گیا اور سلیم خاندان کے لوگ کمزور ہوتے چلے گئے۔ ۱۵ اگست کے بعد چلے اترے تو معاون نظام کے رکن جبار کے خاندان نے الصباح خاندان کے اہم عہدوں پر گرفت مضمبوٹ کر لی، اس کے ساتھ ہی مقامی سیاست میں ٹی لڑائی کا آغاز بھی ہوا۔ جبار خاندان کے اہم ارکان امیر صباح اور ولی عہد نواف کی جانشینی کے لیے اپنا موجہ دو ہے جو اپنے اگر ہے تیں، ان میں وزیر اعظم ناصرالدین اسکے داڑپر شیخ احمد ال فہد ہیں شامل ہیں، سب جانتے ہیں کہ زادہ امکان یہ ہے کہ عیا ولی عہد سلیم کے بھائی جبار کے خاندان سے ہی لیا

کوئی سیاست میں طویل بھرائے آپکا  
بے۔ ۲۰۰۶ء سے ۲۰۱۳ء تک قومی اسمبلی کے چھ انتخابات  
ہوئے، اس دوران درجن سے زائد حکومتیں آئیں اور ایک  
موجودہ پارلیمنٹ نومبر ۲۰۱۶ء میں منتخب ہوئی، اگر موجودہ

اسمبلی نومبر ۲۰۲۰ء تک برقرار رہی ہے تو یہ ۲۰۱۳ء کے بعد اپنی

چار سالہ مدت تک مکمل کرنے والی ایک اسمبلی ہوگی۔ یہ انتخابات

ٹیکس کو ملک میں سیاسی احکام کے ساتھ ہی الصباح خاندان میں

میں چاری تقسیمان دہ دھڑے بندی کا نئی خاندان ہو گی، جائشی

کا معاملہ تاحال حل طلب ہے۔ ۲۰۱۱ء سے ۲۰۱۳ء کے

دریان ولی عبد کے معاملے پر خاندان کے اندر شدید لڑائی

رتی، اب تو ولی عبد کا فیصلہ کرنے کا وقت اور بھی قریب آئیا

ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ ولی عبد نواف الاصح کا اصر

صباح کی جگہ لیتا ہے جو اس کے کو ولی عبد کی حکومت ایک

صباح سے قبول ہو جائے۔ نواف جون ۱۹۴۷ء میں پیدا

ہوئے، وزیر داخلہ، وزیر دفاع، وزیر چیف آف سینٹول کا رہ

کے عبدے پر فائز رہے۔ نواف موجودہ امیر صلاح کی

وزارت عظیم ۲۰۰۳ء سے ۲۰۰۶ء کے دران نائب وزیر عظم

بھی رہ چکے ہیں۔ ان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ نواف کو

کویت میں ایک غیر ممتاز انتخاب کے طور پر دیکھا جاتا

ہے۔ بہت زیادہ عمر کی وجہ سے نواف کا دور اقتدار تختہ رونے

کا امکان ہے، نواف کی غیر معمی صحت بھی حکومت چلانے میں

ایک رکاوٹ بن سکتی ہے۔ ان حقائق کے ساتھ نواف کی نرم

مزاجی آنے والے ولی عبد کو بہت طاقتور بھائی ہے۔

نواف کا جائشیں کوئی قیادت کا رخ زیادہ طاقت سے

تبدیل کر سکتے گا۔ سابق وزیر عظم ناصر محمد کواب بھی اگلا

ولی عبد بنائے جانے کا امکان ہے، لیکن ان کی ۸۷ء برس کی

عمر ان کے خلاف جاسکتی ہے۔ خاص کر اگر کویت میں بھی

سعودی طرز پر بڑی عمر کے لوگوں کو اقتدار سے الگ کرنے کا

فیصلہ کر لیا گیا۔ ناصر محمد کو احمد ال فہد سے لڑائی کے دران

بھی امیر صلاح کا پسندیدہ امیرہ اسی وجہ پر دیکھا جاتا ہے، ان کواب بھی

کویت میں سیاسی اور معاشری اشیائیں کی حمایت حاصل

ہے، جس میں طاقتور تاجر خاندان بھی شامل ہیں۔ لیکن ناصر

الحمد کو کوئی شیعوں سے قریبی تعلقات کی وجہ سے سعودی

تنافات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ وہ ۷۰ء کی دہائی میں

ایران میں کویت کے سفیر رہ چکے ہیں۔ کوئی دکام نے قطر

کے سمتے امیر پر سعودی اور اماری دباو بہت قریب سے دیکھا

کے آخری فروختے، آٹھ برس قل سیاسی عہدہ پھوٹنے کے بعد  
انہوں نے اپنی پوری توجہ پر ہندوستانی پرکروز کھلی ہے، انہوں  
نے ہاروڑی یعنیورشی سے معاشریت میں پی اچ ڈی کی، وہ  
اب بھی ہاروڑی اور آسکنورڈ جسی یونیورسٹیوں سے ملک  
یہیں۔ ایک محاذی ماہر اور خاندانی لڑائی سے دور ہونے کی وجہ  
سے محمد بن صباح کے نام پر اتفاق ہو سکتا ہے۔ وہ ۱۹۵۵ء میں  
بیدا ہوئے، اس لیے وہ کویت کی موجودہ قیادت اور نوجوان  
قیادت کے دریان ایک پل کا رواڑا کر سکتے ہیں، لیکن سیم  
کی نسل سے تعلق رکھنے والوں کا پس منظر میں چل جانا محمد بن  
صباح کے لیے ہنروری کا باعث ہے گا، بہر حال محمد بن صباح  
کے ولی عبد بنیتے کا امکان اسی وقت ہو گا جب جبار کا خاندان  
کسی جائشیں کے نام پر اتفاق نہیں کر سکے۔ اس صورت حال میں  
الصباح خاندان کی کوئی کو ایک بار پھر ۲۰۰۶ء والا رواڑا  
کرنا ہو گا۔ الصباح خاندان سے دمگ افراد بھی ولی عبد مقرر  
کیا جا سکتے ہیں۔ جن میں وزیراعظم شیخ جبار الیاکر، تاجب  
وزیراعظم اور وزیر خارجہ شیخ سبان الخالد، وزیر داخلہ شیخ خالد  
البرہ شامل ہیں۔ شیخ جبار اور شیخ صباح تو جبار الیاکر کے بیٹے  
تمہاری نسل سے ہیں اور آئینی طور پر جبار الیاکر کی اولاد میں  
سے ہی ولی عبد جبار جا سکتے ہیں، اس طرح شیخ جبار اور شیخ صباح  
ولی عبد بنیتے کے لیے آئینی طور پر پوری طرح ملی ہیں۔

شیخ جبار کی عمر کے برس ہے اور انہوں نے ۱۹۴۱ء کے  
دوران خاندانی لڑائی میں پڑنے سے گریز کیا تھا۔ شیخ صباح  
کی عمر ۶۶ برس ہے اور ان کی زندگی سفارت کا رواڑہ وزیر کے  
طور پر گزاری ہے۔

### امیر صباح کی میراث

موجودہ امیر صباح نے ایک پر عزم انسان اور ماہر عالیات  
کی حیثیت سے خود کو منویا ہے، ان کی پیروی کرنا ایک مشکل  
کام ہوگا۔ اگرچہ ولی عبد نواف کا احراام بہت کیا جاتا ہے، مگر  
وہ نہ تنہ غیر فعلی ہیں اور ان کی جانب سے امیر صباح کی تکلیف  
کی کوشش کرنے کا بھی امکان نہیں ہے۔ کویت کی خارجہ  
پالیسی خود کو تھوڑا ہنانے کے لیے اتحاد اور شراکت داری قائم  
کرنا، خطے میں سفارت کاری کے ذریعے تکمیل کر کرنے کی  
کوشش کرنا، تعاون میں کی کے لیے مالی امداد فراہم کرنے کے  
اسوں پر بھی ہے۔ اگر مقاصد پورے ہوئے ہوں تو کوئی  
خارجہ پالیسی پر عمل کے طریقہ کاری میں تبدیل بھی آئتی ہے۔  
وگر خلیجی ریاستوں پر نوجوان قیادت امیر صباح ہو سکتے  
ہیں۔ یہ وزیر خارجہ جسی ہم عبدے پر کھنپتے والے سلم خاندان

||||||| باقی صفحہ نمبر ۱۵ |||||

اسپال کا کہنا ہے کہ میں نے خود تو ہمیں (self-care) کے موضوع پر ان افراد کے تجربات کو اہم پایا۔ دراصل صح کے معمولات کو ایسی لفڑیں حاصل ہے جو آپ کے وہ بھر کے معمولات کو خراب ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔

ڈے فین جے ویچ (Daphne Javitch) کی جاپن سے نظری (nutrition) ضروریات اور طرزِ زندگی (lifestyle) کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سخت کوشی پر مشتمل صح کے یہ معمولات وجہی سے خالی ہیں، کیونکہ ان سے کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ آپ اپنی من پسند زندگی بھی رہتے ہیں۔ ہم سب تحسین ذات (self-optimization) کے ایک ایسے پلچر میں زندہ ہیں، جس میں رفت کے نام پر ہماری ہر چیز برائے فروخت ہے۔ صح کے معمولات بہت سے لوگوں کے لیے تقریباً کا باعث ہیں۔ بہت سے افراد کے لیے ہنی سحت حاصل کرنے کا حصہ ہیں۔ صبح اخننا اور اسے شر آور بنانے کا تعین طاقت اور قوت ارادی سے نہیں ہے۔ برٹش کے پاس دن کے ۲۷ گھنٹے ہوتے ہیں، لیکن کسی کے پاس ایک گھنٹہ ایسا نہیں ہو وہ اپنے نائب، نوکر اور باور پی کے کاموں میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے پیش کرے۔ صبح اخننا کے باوجود ہر فرد کے لیے نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنے وقت کو اچھی طرح استعمال کر سکے۔

جو لوگ اپنے دن کو بھر پر انداز میں استعمال کر سکتے ہیں ان کو جانتا چاہیے کہ انسانی جسم اپنی کچھ حدود رکھتا ہے۔ کچھ لوگوں کے لیے رات دیر تک جا گانا مناسب ہو سکتا ہے، لیکن رات کو دیر تک جا گانا فرد کو اسے نہیں پہچھے کی جا سکتا ہے۔

Extreme Productivity: Boost Your Results, Reduce Your Hours

لیچر روزن Rob Rosen کہتے ہیں خود کو شر آور بنانے کے لیے ایک اچھی حکمت عملی یہ ہے کہ جو چیزیں آپ کی زندگی میں غیر اہم ہیں ان کو کمزوری ایسی نہ دیجیے۔ درست افراد اپنے صح کے اوقات میں کیا کر دے ہیں؟ اس بات پر غور کرنے کے بعد کے کچھ اپنی صح کے بڑے ترتیب اوقات کو درست کرنے اور دن کے اوقات کے بارے میں بھی تجدید دینے کی ضرورت ہے۔

میگرین Domino Win Down نے کے عوام سے ایک اثر دیجیٹریز کا آغاز کیا ہے جس میں پوچھا گیا ہے کہ کامیاب لوگ اپنے رات کے اوقات کو کس طرح صاف کر دیتے ہیں۔

(ترجمہ: جاوید انہم خوشید)

## سحر خیزی: کامیاب افراد کی عادت

پورہ ہوئی صدی سے ان الفاظ کو مختلف حوالوں سے

استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ مشورہ ان معاشروں کے لیے واقعی ملک سچ کے وقت بیدار نہیں ہو پاتی۔ ایسی صورت میں دن کے سب سوئیں۔ کم پاچکار اوقات کارکی حالت میں ہوتا کہ افراد کب اجھیں اور کہنی بھتی ہے تو اس کی پرواہ کیے بغیر سر پر لفاف لے کر دوبارہ سو جاتی ہوں۔ کمرے کی کھڑکی سے اسٹاپ پر موجود وقت لے جانے والی بسوں کی آمد و رفت کو جھوشن آرٹی ہوں تو سب اذان کاموں کی بھتی تھی۔

دفتری کاروبار کے لیے کام کا آغاز کرنے سے پہلے آپ کو بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں۔ سینکڑوں نے ہماری آف لائن اور آن لائن زندگی کے درمیان فرق کو کم کر دیا ہے۔ صح ایسا مقدس وقت ہے جسے دن بھر کی بیعتیں نہیں چڑھنا چاہیے۔

Laura Vanderkam کا کہنا ہے کہ اکثر لوگ یہ تعلیم کرتے ہیں کہ صح کے وقت آپ اپنا ترمیحات کو پورا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے وقت کے درست استعمال اور دنگر مخصوصات پر کامیاب تھیں۔ ان کی یہ کتاب بھی اہم ہے:

What the most successful people do before breakfast

اوکار اور چاریوں کا باپ Wallberg Mark اسی فلسفے پر عمل پیرا ہے۔ وہ صح ۲:۳۰ پر رہتا ہے۔ ۱۵:۳۰ پر ناش کر لیتا ہے۔ اس کے بعد کچھ دیر کر سکتے ہوں۔ اس کے بعد بے بجے گواہ کھلاتا ہے۔ ۹:۰۰ بجے کر یوچرپی (cryotherapy) کرتا ہے۔

یعنی بخشنده پائی اسے احصار کی سورٹ کو ختم کرتا ہے۔

نوکیٹر کا اسی او جیک ڈورسٹ (Jack Dorsey) صح کے وقت نشسل (ice bath) کا حامل ہے۔ کامیک کی

تصوفات میں ہوں۔ اس کے بعد چار میل چل پدمی کرتے ہیں۔ کپڑے بنانے والی کمپنی اوت ڈور اس (Voices Outdoors) کے سی ای ویلی بیتھنے پر ہوں۔ میں جران ہوں کہ ہمارے کلپر میں صح جلدی پیدا ہوئے۔ اسے افراد کو اعتماد کیوں دیا جاتا ہے؟

کچھ عرصے سے ایک شر آور دن گزارنے سے متعلق

تفصیلات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ صح اخنے کا تعین رتو دوست سے ہے اور نہ کسی نیک سے۔ اس بارے میں

Benjamin Franklin کے الفاظ اکثر دیر رائے جاتے ہیں کہ:

میری تھیں میرے دن کا بے ترتیب ترین حصہ میں۔ میں صح کے وقت بیدار نہیں ہو پاتی۔ ایسی صورت میں دن کے سب سوئیں کام کیا کہنا۔ جب مجھے جگانے کے لیے الار گھری کی کھنچتی ہے تو اس کی پرواہ کیے بغیر سر پر لفاف لے کر دوبارہ سو جاتی ہوں۔ کمرے کی کھڑکی سے اسٹاپ پر موجود وقت لے جانے والی بسوں کی آمد و رفت کو جھوشن آرٹی ہوں تو سب اذان کاموں کی بھتی تھی۔

میں الجھر رہ جاتا ہے۔ گویا ستر سے اٹھتے وقت میرا ذہن طرح طرح کے اندر ٹھوٹوں میں اٹھا رہتا ہے۔

مشہور اخبارات اور نیوز چینل "سی این این" "وول"، "بیوارک ٹائم" اور "من ڈے مورنگ" میں جن مشہور شخصیات یا کامیاب لوگوں کو ویش کیا جاتا ہے، ان کے معمولات صح مخفف ہوتے ہیں۔ Richard Branson صح چھ بجے ٹھیک کھلتا ہے۔ Elizabeth Gilbert اپنے دن کا آغاز میں اٹھتے ہی کر دیتا ہے۔

صح کی روادار پہنچ کہانیوں کا ٹپن عام ہو رہا ہے۔ ان کتابوں میں تو ناتی سے بھر پر ایم اور مشہور افراد کو تھیں یا جاتا ہے۔ وہ مراتب کرتے ہیں، وہ میلوں دوڑتے ہیں، یوگا کرتے ہیں، جائے بناتے ہیں اور یہ سب کچھ صح آٹھ بجے سے پہلے کرتے ہیں۔ وہ ناشستے کے وقت فون استعمال نہیں کرتے۔ ایک تحریک صح دراصل ایک شر آور دن کی بھتی ہے۔

صح اخنے سے عاجز لوگوں کی طرح میں بھی سحت کے موضوع پر اس کی قسم کی آناتیں ٹلاش کرتی اور ذوق و عقون سے پڑھتی تھیں تاکہ سحر خیزوں کے معمولات معلوم کر سکوں، ان سے فائدہ اٹھا سکوں اور سحت مندر بننے کے رازوں سے باخبر ہو سکوں۔ اس بارے میں ٹلاش جھوکا اعتمام تجسس و غریب جیزوں پر ہو۔ میں جران ہوں کہ ہمارے کلپر میں صح جلدی پیدا ہوئے۔ اسے افراد کو اعتماد کیوں دیا جاتا ہے؟

کچھ عرصے سے ایک شر آور دن گزارنے سے متعلق تفصیلات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ صح اخنے کا تعین رتو دوست سے ہے اور نہ کسی نیک سے۔ اس بارے میں

Benjamin Franklin کے الفاظ اکثر دیر رائے جاتے ہیں کہ:

Early to bed and early to rise makes a man healthy, wealthy and wise.

"The False Promise of Morning Routines".

("theatlantic.com", Dec. 2, 2019)

Successful People Start Every Day Inspired

کی مسلم اقیت سے انتقام لے رہی ہے۔ بھارت کی ۵۵۲ کی مسلمانوں کی آنکھوں میں سے ۱۲۵ کے قریب الگ نشستیں ہیں، جہاں

مسلمان دافعیہ یا ان سے زیادہ ہیں۔ پاریمانی طبقہ، محرومین اور بیرونیوں کی آنکھت کی وجہ سے، ان سینئوں پر مسلم ووٹ انتخابی تباہ کپڑا ادا نہ کروتا تھا۔ بعد قوم پرستوں کو شکایت ہے کہ ۲۰۱۴ء سے قبل ان اوقات اسے باہر رکھنے میں مسلم ووٹ نے براہ راست کردار ادا کیا ہے۔ ۲۰۱۶ء میں تو فی جے پی نے بندوں و بڑوں کو خاصہ سبز یارغ و کھا کر بجا تو کیا، اگر اقتصادی مندی اور دیگر عوامل جذبیت و بڑوں کی خاصی تعداد کو ان سے بدلنے کرنے والے ہیں۔ اس سے پہلے یہ عمل شروع ہوا، اور ووائیک بار پھر مسلم ووڑوں کے ساتھی کرنے جے پی کو اقتدار سے بے خل کرنا، اس کو تاریخ کے کوئی دن میں پھیک دیں، ضروری ہے کہ ان کی کثیر تعداد کو شہریت ثابت کروانے کے نام پر حق رائے وہی سے محروم کرایا جائے۔

جب آسام میں بی جے پی کے بدوں کے برکش مخفی ۱۹ اکتوبر افرادی شہریت ثابت نہیں کر پائے تو فی جے پی کے لیڈروں نے بتایا کہ بغلادیشی درانداز، جن کی شناخت کے لیے پوری ایکسرسائز کی گئی تھی، اس دوران ویگریا سینوں میں بس گئے ہیں۔ اس لیے آسام کی طرز پر پورے ملک میں غیر ملکی دراندازوں کی شناخت کا کام شروع ہونا چاہیے۔ انتخابات سے قبل بی جے پی کا فخرہ تھا کہ "مودی ہے تو ممکن ہے۔" اپنی دہری مدت کے ایک سال سے بھی کم و قدم میں جموں و کشمیر کی خصوصی آئینی تیکیت کی مشوفی، پاہی مسجدی جگہ رام مندر کی تعمیر کا راست صاف کرنا اور اب ملک بھر میں این آرک لاؤگر کے مودی نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے جو بھی انتخابی تعریے تھے وہ مخفی نمائی بھلائیں ہیں۔ وہ ایک آیک کر کے ان کو روپیہ عمل لارہے ہیں۔ پاکستان کو سبق سکھانا اور آزاد کشمیر کے دار الحکومت مظفر آباد پر بھارتی ترکیب برانہیں ان کا ایک انتخابی فخر تھا۔ اس قانون کو پاریمان کے ووڑوں ایکوں میں پھیل کر ترتیب دوت و زیر داخلہ امیت شاہدے خاصی دوڑنے کوئی سے کام لیا۔ اپنی اتفاقیہ کے دوران شاہدے یہ سکن کہا کہ "آپ جائیجے ہیں کہ بھارت کو مسلم پناہ گزیوں کا مرکز بنادیا جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں بندوں کی آبادی گھٹ رہی ہے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ آبادی کے عدم تو ازان کو دور کرنے کے لیے پڑوں ملکوں سے جندوں کو یہاں لا کر بسایا جائے گا۔" اس کے علاوہ انہوں نے پر وی مالک میں اقیتوں کے خلاف ہوئے مظالم کا

## بھارت: مسلمانوں کے لیے ایک اور امتحان،

انتحار گلیانی

مسلمانوں کے لیے تشویشاں ہیں۔ پورے ملک میں این آر

می کی ایکسرسائز ۲۰۲۳ء تک مکمل کی جائے گی۔ اس کی رو سے

ملک کے ہر شہری کو اپنی بھارتی شہریت ثابت کرنی ہوگی۔ اب اگر کوئی نیز مسلم و مسماویز اس کی عدم موجودگی کے باعث

شہریت ثابت نہیں کر پاتا ہے، تو حال ہی میں ترجیب دیے گئے قانون کی رو سے وہ خود بخوبی شہریت کا حقدار ہو گا۔ اگر اس کی ۷۰٪ میں مسلمان آ جاتا ہے تو وہ بے وطن شہری قرار دیا جائے گا۔

وہ ملک کے میں ۸۰٪ میں مسلم آبادی کی ایک کثیر

تعداد کی شہریت پر سوالیہ نشان کھڑے ہو جائیں گے۔ ایوان

زیریں یعنی اول سمجھیں یہ قانون آدمی رات کے وقت پاس

ہو گیا۔ مجلس اتحاد مسلمین کے صدر اور حیدر آباد سے رکن

پاریمان اسلام الدین اویسی نے توجیہ کر کے کہا۔ "جب آدمی

ریزیدر مودی نے حال ہی میں پاریمان سے مذاقہ شہریت ترمیتی

بل پاس کروایا، جس کے مطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۲۳ء تک افغانستان،

بغلادیش اور پاکستان سے بھارت آئے غیر مسلم پناہ گزیوں

کے دوران وزیر داخلہ امیت شاہ پر تکشیقی کرتے ہوئے ان کا

مواظعہ ہتلر سے کیا اور کہا کہ وزیر داخلہ کا نام تاریخ میں بھر

کے ساتھ لکھا جائے گا۔ شہریت ثابت کرنے کے لیے

پاسپورٹ، ووڑا کارڈ یا بینک شاخی کا ردیعی ادھار کی کوئی

وقت نہیں ہے، بلکہ ووڑا یا ناتا کے جانشید اسے کائنات جمع

کرنے ہوں گے اور پھر ان سے رشتہ ثابت کرنا ہو گا۔ جس

گاؤں، دیہیات یا محلہ میں آباد احتجاد رہتے ہے، وہاں سے

کائنات لانے ہوں گے۔ اگر ان و مساوی امیت میں اسپیلنگ

وغیرہ مختلف ہوں، تو بس بے وطن شہری کو بولانے کے لیے تیار

رہیں۔ آسام میں تو ایسے افراد جانتی کہیں میں ہیں، جن

کے نام میں محمد کی اسپیلنگ اگریزی میں کہیں ایم، یو، کیس

ایکی، او، اے۔ جسی فرق کی وجہ سے ان کی شہریت ملکوں

قرار دی گئی ہے۔ خواتین کے معاملے میں شہریت کے ثبوت

کے طور پر گاؤں، دیہیات کے مژکیت کو تسلیم نہ کیے جانے کا

حال ہی میں جب بھارت کے شمال مشرقی سوبے آسام میں غیر ملکیوں کو ملک بذریعہ سے قبیل ان کی شناخت کا

مرحلہ سات ماں بعد اختتام پر ہو گیا، تو اس کے تاریخ

بھر ان بھارتی جتنا پاریلی یعنی بی جے پی کے لیے ایک طرح سے سائب کے منہ میں چھوٹرہ الاممال ہو گیا تھا۔

سپریم کورٹ کی مائیٹر گرفت میں سات ماں کی عرق ریزی

کے بعد صوبے کی ۹۳٪ میں آبادی میں ایک تمحض ۱۹٪ کا

بزرگ افرادی ایسے پانے کے جو شہریت ثابت نہیں کر پائے۔

وہ سر ایجاد یا کیا کہ ان میں سے اولاد کا فراہمہ بڑا صرف آٹھ

لاکھ ہی مسلمان ہیں۔ اس خفت کو منانے کے لیے وہ خلجم

زیدر مودی نے حال ہی میں پاریمان سے مذاقہ شہریت ترمیتی

بل پاس کروایا، جس کے مطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۲۳ء تک افغانستان،

بغلادیش اور پاکستان سے بھارت آئے غیر مسلم پناہ گزیوں

ہندو، ملکہ، بودھ، میں، پاری اور عیسائی کیوں کے افراد کو بھارتی

شہریت دلانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کا فوری اثر آسام

میں یہ ہو گا کہ صوبے میں بینکیں، جو چڑیاں آف ایشور یعنی این آر

سی کی زویں جو اولاد کا غیر مسلم افراد آئے تھے، وہاں خود بخوبی

شہریت کے حقوق ہو گئے۔ صرف مسلمانوں کو قبیل ایکیوں

اور عداوتوں کے چکر کاٹ کر ایک دارکر کے شہریت ثابت

کرنی ہو گی۔ بصورت دیگر ان کو بے ریاست شہری ڈیلکٹیز

کر کے ان کو شہری حقوق، یعنی ونگ، سرکاری توکریوں وغیرہ

سے محروم کر کے، ان کو ملک سے باہر ڈھیلے کا عمل شروع کیا

جائے گا۔ اگر یہ موجودہ قانون واقعی پر وی مالک کی اقلیتوں کو

تحقیق دینے کے ارادہ سے ڈرافٹ کیا گیا ہوتا، تو اس میں کچھ

مضاائق نہیں تھا۔ مگر ایک ملک جو بچکلے مے سا لوں سے ریشویوں

پالسی نہیں بار بار ہے، وہ اچانک ریشویوں اور پر وی مالک

کی ہر اسال اقلیتوں کا معاوضہ کیسے بن گیا؟

جنوی ایشیا میں اگر بندوں کیں قابلِ رحم حالت میں ہیں، تو

وہ سری لانکا میں ہندو تالیمیت ہے۔ آخر ان کو اس قانون

کے وائرے سے باہر کیوں رکھا گیا ہے؟ ان سے ہی سوالوں کا

راجیو گاندھی اور آسام کے لیے رون کے درمیان معاہدے میں طے پایا گیا تھا کہ مارچ ۱۹۷۴ء سے قبل آئے غیر ملکیوں کو بھارتی شہریت تقویض کی جائے گی اور اس کے بعد آنے والوں کو شہریت کی فہرست سے خارج کیا جائے گا۔ مگر موجودہ قانون کے مطابق غیر مسلم پناہگزیوں کے لیے اس کا وارثہ اب ۲۰۱۲ء تک بڑھا دیا گیا ہے۔ شمال مشرقی ریاستوں میں بڑا سیالاب کو روپا نامی ایال حکومت کے لیے نامنگان لگ رہا ہے۔ مغربی بیکال، کیرلا اور پختاب جیسی ریاستوں نے اپنے بیہاں اس قانون کو تواندھی کر کے اعلان کر دیا ہے۔

دچپ باتوں پر یہ کہ یہ قانون تو بھارتی آسام کے پشتی باشندوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے بنایا گیا تھا، اسی دیاست میں اس کی سب سے زیادہ خلافت ہو رہی ہے۔ صوبے کا نظام پوری طرح وہم برپا ہو گیا ہے۔ لشکر جمل کے تمام درائع غہپہ ہیں۔ راشٹر یو سوسک سوسیک مغلہ یعنی آر ایس ایس اور بی جے پی کے لیدر ان جنہوں نے آسام میں غیر ملکی در اندزادوں کو مسئلہ اٹھ کر ایں آری کو تواندھی کرایا تھا، ان کی جان پر بن آئی ہے۔ بقول معروف صحافی مصوص مراد آبادی کہ بھارت کے مختلف صوبوں کے باشندوں کو اپنی زبان، تہذیب، ثقافت اور علاقائی مشاہد سب سے زیادہ عزز ہے اور وہ اس معاطلے میں ذہب کو دور رکھتے ہیں۔ حکمرانی بی جے پی کا خیال تھا کہ ملک کے خوام کو بندوں کی ڈور میں پر کر ان تمام اختلافات اور تضادات کو ختم کروے گی، لیکن اس کا خیال بالکل ملط خابست ہوا ہے کیونکہ شمال مشرقی ریاستوں آسام، تری پورہ، منی پور، میٹھا لیالیہ، بیرون اور اروناچل پردیش کے باشندوں نے اس قانون کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا ہے۔ ان صوبوں کے اصلی باشندوں کو یہ خوف ستارتا ہے کہ شہریت ترمیمی قانون کا فائدہ انھا کر بیکلا دیش کے بھائی بندوں ان کے علاوہ میں بھی طرف چھا جائیں گے۔ یہ لوگ لاکھوں کی تعداد میں بیہاں آپکے ہیں اور ان کی آمد کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ احتجاجی تحریک کے دوران لیڈر ووں کے گھروں پر ہتھ لٹکھنیں ہوئے ہیں بلکہ آرامی سامنے کے وزیر اعلیٰ اور ان کی کامیون کے رفتہ اور بی جے پی آسام کے وزیر اعلیٰ اور ان کی کامیون کے رفتہ اور بی جے پی عزت نفس کی بھالی کے لیے ان چیزوں اور سیکھی کے خر سے لکھنا ہو گا۔ یہ کب اور کس وقت ان کا سودا کریں گے، ان سے کوئی بعد نہیں۔ ہندو قوم پرست حکمران بی جے پی نے شہریت ترمیمی قانون کا گزہ ہاتھ تو مسلمانوں کے لیے ہی کوڈا تھا، مگر اس طرح کھارہت کرنے کے لیے سرحدیں کھول دی گئی تھیں اور اس طرح کی بھرت کی ہو صدا فراہمی خود بھارتی کر رہا تھا۔

(حوالہ: روز نامہ "نیو ٹریجنی" ۲۰ اگسٹ ۱۹۸۵ء)

قانون نے بھارتی مسلمانوں کو تدبیب میں بدل لئے رہا ہے۔ ان کے رہنماء جس سیکولر ازم کا دم بھر کر اور اپنے آپ کو محبت الٹن ٹابت کروانے کے لیے، پڑھی مالک کو تقدیم کا تھانہ بنتا ہے، ان کو معلوم ہے کہ اس سیکولر ازم کا بھرم ٹوٹ چکا ہے۔ اس اضطراب کی کیفیت میں لازم ہے کہ مسلمان ان چیزوں کو یاد رکھیں، جنہوں نے پارلیمنٹ اور اس کے باہر اس قانون کی حمایت کی۔ ان نامنہاد سکولر چیزوں اور اپنے ان اراکین پارلیمنٹ اور جن شفیقی پارٹی کے محبوب ملی قیصر، شیخ کے پیشفل کا تفسیر کے اراکین، وغیرہ جن کو اس قانون کے خلاف بولنے کی توفیق نہیں ہوئی، کو یاد رکھیں۔ جمیعت علماء بند کے سربراہ مولانا محمود مدینی کو یہی یاد رکھیں، جنہوں نے ایک ملی ون پروگرام میں اس قانون کی حمایت کی تھی۔ مسلم نوجوانوں کے لیے لازم ہے کہ جمیعت علماء بند کے پیچا ارشاد مدینی اور سیکھی محمود مدینی کے تکمیل کو یہی ہمکار اس کے جھانے سے نکل کرئی قیامت تسبیب دیں۔ خاص طور پر علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دینگارداروں میں مسلم طلباء اور نوجوانوں نے جس طرح اس قانون کے خلاف رو عمل دکھایا، جمیعت علماء بند نے پلا کھا کر مظاہروں کی کمال دی۔

ملک کو ایک بار بھر فریب دے کر بی وطنی کے جھنڑے مترپ مولانا محمود مدینی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ قانون ملک کے دستور کو پامان کرنے والا ہے۔ مہارا شاہ مسلمانوں کے خلاف نہیں بلکہ ملک کے خلاف کھجتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ اسیں دامان تائماں رکھیں، بہرہز دنہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان ایک زندہ قوم ہے اور زندہ قوموں کو پریشانی ہوتی ہے مگر وہ اس پریشانی سے نکلنے کی راہ بھی نکالتی ہے۔ واضح ہے کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں یہ ملیتیں کیے جانے سے قیل مولانا محمود مدینی نے تشدد کے جو اتعاب پیش آئے، اس کی وجہ سے چنانکہ پہاڑی علاقوں کے چکمہ اور ہر ٹوکن قبائلی مسکین بھارت میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ معاشر بدخشان کے شکار اور روزگار کی تلاش میں بھی دونوں بندوں اور مسلمان بیکالی بھارت میں ہو گئے ہیں۔ مگر یہ دعویٰ کرنا کہ بھارت اور پاکستان میں خوف و مسلمانوں کی اقلیتوں کو شہریت دینا چاہتی ہے تو یہ غلط نہیں ہے تاہم اس ملک کا خیر مقدم کیا تھا کہ اگر سرکار پاکستان اور دیگر ملکوں کی اقلیتوں کو شہریت دینا چاہتی ہے تو یہ غلط نہیں ہے تاہم ہر اس کی وجہ سے غیر مسلم آبادی کا شاسب تبدیل ہوا ہے، حقیقت سے پرے ہے۔ تکمیل ہندو اور ایسا میں سقوط مشرقی پاکستان کے وقفہ کے دران تقریباً اسیں ملین افراد ہجرت کر کے شمال مشرقی ریاستوں میں لیں گئے تھے۔ پاکستان کو سفارتی سٹی پر زیچ کرنے کے لیے سرحدیں کھول دی گئی تھیں اور اس طرح کی بھرت کی ہو صدا فراہمی خود بھارتی کر رہا تھا۔

بابری مسجد پر پریم کورٹ کے فیصلے اور بھر نظر عالی کی پیشی کو چند منٹ میں خارج کر دیتے اور اب اس شہری کے خلاف سب سے زیادہ رو عمل شمال مشرقی ریاستوں خصوصاً آسام میں دیکھنے کو ملا۔ ۱۹۸۵ء میں اس وقت کے وزیر اعظم آسام میں دیکھنے کو ملا۔ ۱۹۸۵ء میں اس وقت کے وزیر اعظم

تذکرہ کرتے ہوئے لہا: ”پاکستان میں ۱۹۷۷ء میں اقلیتوں کی آبادی ۲۳ فیصد تھی، جو ۱۹۷۶ء میں گفت کرے، ۲۴ فیصد رہ گئی ہے۔ اسی طرح بیکالی دیش میں ۱۹۷۷ء میں اقلیتوں کی آبادی ۲۲ فیصد تھی، جو ۱۹۷۶ء میں کم ہو کر ۲۰ فیصد رہ گئی ہے۔ کہاں گئے یہ لوگ۔ یا تو ان کو مار دیا گیا ہے، یا ان لوگوں کا زیر دتی ذہب تبدیل کرایا گیا ہے یا بھارت بھکاری دیے گئے ہیں۔“

مردم شماری کے اعداد و شمار ہی ان کے جھوٹ کی پول کھول دیتے ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں جب پہلی بار متحدة پاکستان میں مردم شہری ہوئی تو غیر مسلم آباد کا تائب ۲۰۱۷ء فیصد تھا۔ مغربی پاکستان میں اقلیتی آبادی کا تائب ۲۰۱۷ء فیصد تھا۔ بیکالی دیش میں ۱۹۷۷ء میں ۲۰ فیصد اقلیتیں آباد تھیں۔ پاکستان حال بیکالی دیش میں ۱۹۷۷ء فیصد اقلیتیں آباد تھیں۔ پاکستان میں ۱۹۷۷ء کی مردم شماری کے مطابق غیر مسلم آبادی ۲۵ فیصد ریکارڈ کی گئی۔ اسی طرح ۱۹۸۱ء میں ۲۰ فیصد اور ۱۹۸۵ء میں ۱۹ فیصد ریکارڈ کی گئی۔ پاکستان میں ۱۹۷۷ء میں اقلیتی آبادی ۲۰۱۷ء فیصد پائی گئی۔ پاکستان میں ۱۹۷۷ء میں ہوئی مردم شماری کے نتائج ابھی شائع نہیں ہیے گئے ہیں۔ ان اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں اقلیتی آبادی کا تائب ۲۰۱۷ء فیصد دیش میں تھا۔ ایک طرح کا تائب ۲۰۱۷ء فیصد وہی ہے، جو ۱۹۷۷ء میں تھا۔ ایک طرح سے بڑھ کر ۲۰۱۷ء فیصد دیش میں تھا۔

میں اقلیتی آبادی میں بذریعہ کی آگئی ہے۔ ۱۹۷۷ء کی مردم شہری کے مطابق غیر مسلم آبادی کی شرح ۱۹۷۶ء فیصد تھا، جو ۱۹۸۱ء میں ۲۰ فیصد، ۱۹۸۵ء میں ۲۰ فیصد اور ۱۹۸۹ء فیصد ریکارڈ کی گئی۔ ۱۹۵۱ء اور ۱۹۷۷ء کے درمیان غیر مسلم اقلیتی آبادی ۲۰۱۷ء سے گھٹ کر ۲۰۱۷ء فیصد رہ گئی ہے۔ بیکالی دیش کے وجود میں آنے کے بعد سماں اقلیتیوں کے ساتھ تشدد کے جو اتعاب پیش آئے، اس کی وجہ سے چنانکہ پہاڑی علاقوں کے چکمہ اور ہر ٹوکن قبائلی مسکین بھارت میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ معاشر بدخشان کے شکار اور روزگار کی تلاش میں بھی دونوں بندوں اور مسلمان بیکالی بھارت میں ہو گئے ہیں۔

پاکستان کے وقفہ کے دران تقریباً اسیں ملین افراد ہجرت کر کے شمال مشرقی ریاستوں میں لیں گئے تھے۔ پاکستان کو سفارتی سٹی پر زیچ کرنے کے لیے سرحدیں کھول دی گئی تھیں اور اس طرح کی بھرت کی ہو صدا فراہمی خود بھارتی کر رہا تھا۔

بابری مسجد پر پریم کورٹ کے فیصلے اور بھر نظر عالی کی

# امریکا اور اخوان المسلمين کے مابین تاریخِ ناتمام

محمد علی عضروی

ہے تاکہ الجزاائری آزادی کو نالا جائے۔ ان خطوط کی بنا پر امریکی سفارتی میں گراموں میں جیل بار اخوان المسلمين کا ذکر آیا، جن میں اس تحریک کو صریح میں ”ایک انتہا پسند معاشرے“ کی ابتداء قرار دیا گیا۔

سودیت کی زندگی کے پھیلاؤ کی روک قہام ۱۹۵۰ء کے عشرے کے اوائل میں امریکی پالیسی میں سفر ہوتا تھا کہ بھی امریکی حکام کی نظر میں اخوان المسلمين ایک انتہا پسند تحریک تھی، جو اپنے حامیوں کو ”نام غیر مسلموں سے نفرت کرنا“ سمجھاتی تھی اور ”قرآنی قانون“ کے نفاذ کی عدمیت کرتی تھی۔ امریکا اس لیے بھی فکر مند تھا کہ اخوان المسلمين پر تشدد ہو سکتی ہے۔ تاہم مصر میں ۱۹۵۲ء کے فوجی انقلاب کے بعد اور صدر جمال عبدالناصر کے اقتدار میں آئے پر امریکی حکام ہونے لگے۔ چنانچہ امریکا نے اخوان المسلمين کے یادے میں اپنی راستے پر نظر ٹانی کی جس کی روشنی میں سفارتی یقینات میں اسے انتہا پسند نہیں بلکہ ”رائج العقیدہ افراد“ کہا جانے لگا۔

اس کے بعد قاہرہ میں امریکی سفارت خانے میں ناظم الامور فریڈ گلینی (Gallney) اور اخوان المسلمين کے مرشد عام حسن بھٹیانی کی باقاعدہ ملاقاتیں ہو گئیں۔ ۱۹۵۰ء کے عشرے کے وسط تک جب اخوان اور مصر کے فوجی حکمرانوں کے درمیان اشتہانی تعاون کا دور اختتام کو پہنچا تو امریکی سفارت کاروں کی نظر میں اخوان کے ساتھ تعلقات بنا پڑے سے زیادہ ضروری ہو گیا تاکہ ان تعلقات کو استعمال کر تے ہوئے روس کی اتحادی مصر کی نوعی حکومت پر دباؤ لالا جائے۔ تاہم سرد جنگ کے برسوں میں مصر میں امریکا کے سفارتی تجویزوں اور سرگرمیوں میں اخوان المسلمين کو مرکزی حیثیت کی گئی تھیں۔ امریکی حکام نے اخوان کو مصر میں ایک اہم نہیں اور سیاسی تحریک کے طور پر تسلیم کیا۔ تاہم سیاسی کروار کے حوالے سے فوج، شہنشاہیت، وحدت پائی اور کمیونٹیوں کے مقابلے میں اخوان المسلمين کو بہت کم اہمیت دی گئی۔ بعد میں جب اخوان المسلمين صدر ناصر کی مکمل واحد اپوزیشن جماعت بن کر رہ گئی تو امریکا نے اس میں گہری دلچسپی لیتی شروع کر دی۔

سفارتی رپورٹوں سے یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوا کہ امریکا کی اخوان المسلمين کے حوالے سے کوئی خصوصی پالیسی رہی تھی، اور ان رپورٹوں میں یہ بات واضح طور پر کہی نہیں کی گئی کہ ناصر یا سودیت کی زندگی کا خیال تھا کہ یہ فرانس کی ایک چال

امریکا اخوان المسلمين کے ساتھ مختلف وجوہات کی بنا پر تعلق استوار کرنے کی واقعوں کو کوشش کرتا رہا ہے۔

امریکی کانگریس کی ذیلی کمیٹی برائے قومی سلامتی نے ۱۹۴۸ء کو اپنے اجلاس میں ”اخوان المسلمين کی طرف سے دنیا کو خطرہ“ کے موضوع پر سماught کی۔ اس سماught کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ اخوان المسلمين دنیا پر مسلط کے مفادات و آگے بڑھانے کے لیے اخوان المسلمين مکمل طور پر مفید تھا۔ بعض امریکیوں کے خیال میں امریکا کے مفادات و آگے بڑھانے کے لیے اخوان المسلمين پر اعتماد ہے۔ اسکا حضرات کی ایک طویل عرصے سے یہ رائے ہے کہ اخوان المسلمين جدید اسلام اور اسلامی تبلیغ ہے تاہم کانگریس کی مذکورہ سماught میں اسے ”ایک ایسی بنیاد پرست اسلامی تنظیم یا ایک یا چند جمیں نے ۲۰ سو ٹکلوں میں باہم مربوط تحریکوں کو جنم دیا“ اور القاعدہ نجیی ان تحریکوں میں سے ایک دیتا ہے تو دسی طرف و اخوان میں دلچسپی بھی رکھتا ہے۔

”اخوان المسلمين کے انتہا پسند نظریات“

اگرچہ اخوان المسلمين ۱۹۲۸ء میں قائم ہو چکی تھی تاہم اس تحریک کے بارے میں قاہرہ کے امریکی سفارت خانے نے بیلی ۱۹۳۷ء میں ابتدائی روپت تیار کی۔ بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ اخوان کے ابتدائی برسوں سے دو ایں امریکی سفارت کاروں کی توجہ ان پر نہیں پڑی۔ مصر کے ساتھ امریکا کے تعلقات ۱۹۴۳ء کی دہائی میں جیادی طور پر محدود اقتصادی مفادات کے گرد گھومنت تھے۔ دوسری عالم جنگ کے آئنے نکل یورپ اور شمالی افریقا میں امریکا کے تزویراتی معاملات اُس کی کاروباری دلچسپیوں پر غالب آگئے چنانچہ اس پر کسی کو حیرت نہیں ہوتی چاہیے کہ قاہرہ میں امریکی سفارت کاروں نے مصری معاشرے میں سماجی اور مدنی رہنمائی میں اس وقت تک زیادہ دلچسپی نہیں لی چکی۔

تاہم ۱۹۴۰ء کے اواخر تک اخوان المسلمين نے خود کو اس کا نظریہ قرار دیا تو ان کے معرف مغرب خلاف نظریات دراصل برطانوی استعمار کے ر عمل میں تھے، جو اس وقت مصر پر قابض تھا۔ دوسری طرف ایک جمیونی ملک کی حیثیت سے امریکا نے مشرق و سلطی میں خود کو بیش ایک مختلف شناخت دیئے کی کوشش کی ہے، جس میں اس کی خواہش ہے کہ نئے میں اس کے مفادات محفوظ رہیں جبکہ علاقے میں احکام برقرار رہے، جس کے لیے اس نے دنگ خود میٹا رکلوں کے ساتھ اتحاد اور شراکتوں کا ایک مریبوط سلسہ بنایا ہے۔ اسی بنا پر

انہدام سے امریکا کو لاحق بنیادی خطرہ فتح ہو گیا کیونکہ بطور ایک انقلابی نظریے کے کیونکہ ناکام ہوا اور عالمی منظر نامہ بدال گیا۔ اس کے بعد بعض امریکی پالیسی معاذوں نے مصر کی اخوان المسلمون اور اس سے متاثر ہو کر تائم ہونے والی متعاقب تحریک، جیسے الجواہر کی اسلامی سالویشن فرنٹ (ایف آئی ایم)، یا مہات کو امریکا کے عالمی معاذات کو نقصان پہنچانے کی الیت رکھے، ای طرح کی میں الاقوامی اسلامی نظریاتی تحریک کا حصہ بھنا شروع کر دیا، جس طرح اس سے پہلے یوزدم تھا۔

امریکی سفیر ایڈورڈ Djerejian نے اس تشویش کا واضح طور پر اپنہار ۲۷ جون ۱۹۹۰ء کو اپنی مشہور "میری یہ تقریر" میں کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ امریکا کے ایک اعلیٰ سرکاری اہلکار نے "تمہیں یا سیاسی اختبا پسندی" کو مشرق و سلطی میں المحکام کے لیے اور دیگر امریکی معاذات کے لیے یونیٹا ہو اخطرہ قرار دیا۔ اس کے بعد سے "اسلامی بنیاد پرستی" کو امریکی سفارت کاری کے لیے ایک خطرے کے طور پر بار بار زیر تدکڑہ لایا گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک بیان امریکی مکالمہ اس موضوع پر شروع ہوا کہ اخوان المسلمون صحتی غیر متنہد "بنیاد پرست" تحریکوں کے ساتھ سفارتی سطح پر تعلقات بناے جائیں تو آیا یہ یقینوں ہو گا اور اس کا فائدہ ہو گا یا نہیں۔

ہوا یہ کہ قابوہ میں امریکی سفارتی تھی نے ۱۹۹۰ء کے عذرے کے پورے ابتدائی حرستے میں اخوان المسلمون کے عورتے کے ساتھ تعلقات برقرار رکھے۔ اسلامی تحریک کو مصر کے میدان سیاست میں اور ملک کے سختی کے مقابل کے لیے ایک اہم کروار کے طور پر دیکھا گیا۔ تاہم اخوان المسلمون مصر میں اپنی غیر قانونی جماعت تھی، اور استبدادی حسنی مبارک کی حکومت نے اپنے اتحادی امریکا سے اس وقت شدید احتیاج کیا، جب امریکا نے جسی کی ملکی حریف جماعت کے ساتھ روابط بنائے۔ اچنچہ امریکا نے ۱۹۹۰ء کے عذرے کے وسط میں اخوان المسلمون کے ساتھ سفارتی تعلقات ختم کر دیے۔

اس کے بعد اتفاق ہوئے نائن الیون کو امریکا پر اچانک حل کر دیے، جس سے اسلام ازم یا جنیاد پرست اسلام کی طرف سے لاحق خطرات کے بارے میں امریکا میں جھری ہوئی بحث شدت اختیار گئی۔ اگرچہ یہ واضح تھا کہ اخوان المسلمون کے نظریاتی رہنماؤں جیسے سید قطب نے القاعدہ کے قیام اور پھیلاؤ پر براہ راست اثر دال تھا، نائن الیون المسلمون کے برادر کے "سیاسی اسلام" اور میں الاقوامی جمادی تحریک کے مابین نظریے اور حکمت عملی پر بھی اختلاف

بیت دلچسپ ہے کہ ۱۹۸۰ء تا ۱۹۹۰ء کے ایرانی انقلاب (جو ٹھیک اور شیعہ اسلام پسندوں کی قیادت میں آیا) کی اسلامی شاخوت کا مختہ میں واقع امریکی سفارت خانے کے ۱۹۸۰ء کے اوائل کے معاذات میں ہرگز ذکر نہیں ملا۔ درحقیقت امریکوں نے ایران کے ذریمانی و اتفاقات اور مصر کی اسلامی تحریک میں یونیٹی پسندی کو الگ الگ تصور کیا اور مصر میں امریکی حکام کو بظہار ایسی کوئی تشویش لاحق نہیں تھی کہ ایران کا انقلاب مصر اور وہ سرے مسلم تکلوں میں اسی نوعیت کی اسلامی تجدیلی کی لہر پیدا کر سکتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کی وہائی کے تمام ابتدائی پرسوں میں اخوان المسلمون کو مصر کی محض آئیں اسلامی حکومت کے طور پر دیکھا گیا۔ درحقیقت اخوان اخوان میں عزوف میں بہت سے مسلم معاذروں کا سیاسی مظہر نامہ بدلت کر رکھ دیا تھا، ایک بڑے اور وسیع الجیا اسلامی ایجاداً تھا جسماً گلیا۔

صری صدر انور سادات کو ۱۹۸۰ء میں قتل کرنے والے کی مذہبی وابستگی مصر کے اسلامی جہاد سے تھی، جو اخوان المسلمون سے الگ ہونے والا ایک گروپ تھا۔ اس قاتل کا تذکرہ بھی امریکی سفارتی معاذات میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ درحقیقت سادات کے قتل کا مکمل ذمہ دار اخوان المسلمون کو کہی ٹھیں خبر ہیا گیا اور نہ ہی مصر کی انتبا پسندی پر سید قطب (یا ایرانی انقلاب) کے نظریاتی اثرات کا کوئی اعتراف ملتا ہے۔ امریکی ملک خارجہ کے دفتر برائے امور مشرق قریب کے ایک سابق ڈائریکٹر کے نزدیک اگر کوئی تذکرہ ہے بھی تو یہ کہ امریکی ملک خارجہ میں کئی اہلکاروں کو یقین تھا کہ سادات کا قتل ایک کیونکہ منصوبہ تھا۔ کیوں نہ کوئی عرض سے پر عمل کیا، جس میں پہنچ دھو جدہ بھی شامل تھی۔

اس کے باوجود امریکا کے سفارتی ریکارڈ میں سید قطب کا تذکرہ مخفی چند ایک بار ملتا ہے، حالانکہ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں اخوان المسلمون کے صفت اول کے نظریہ سازین کو ابھرے تھے۔ مسری حکومت کی طرف سے ۱۹۶۶ء میں سید قطب کی پھانسی کا امریکی سفارت خانے کے معاذات میں سرسری ذکر ملتا ہے۔ درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکی سفارت خانے میں اسلامی تحریک میں پائی جانے والی تسمیہ یا اس یونیٹی کی انتبا پسندی سے آگاہ رہ تھا۔ اس کے نجایت امریکا کو فکر اس بات کی تھی کہ اخوان المسلمون میں یہ الیت وہروں کی تسبیت زیادہ پائی جاتی ہے کہ وہ ناصر کے نصیلوں پر اثرات ڈال سکتے ہیں۔ اس دور میں ناصر حکومت کے سودویت یونین کے ساتھ تعلقات قریبی تھے اور ہم کی بھی وقت غرباً ہو سکتے تھے۔

چنانچہ ۱۹۸۰ء کے عذرے کے دوران انتبا پسند اسلام کا امریکی سفارتی ریکارڈوں میں کوئی ذکر ملتا ہے اور نہ مشرق و سلطی کے بارے میں امریکا کے سرکاری پالیسی بیانات میں۔ امریکا کے صعب اول کے سفارت کاروں اور پالیسی ساز افراد کے انتہا پسندی سے آگاہ رہ تھا۔ اس کے نجایت امریکا کو فکر اس اسلامی تحریک یا "اسلام ازم" کا تصور اس دور کی امریکی قدر میں پھیس رہا تھا۔

نائن الیون کے بعد امریکی مکالے میں "اسلام ازم" اور اسلام، ۱۹۹۰ء کے عشرے کے آغاز میں سودویت یونین کے ساتھ تعلقات قریبی تھے اور ہم کی بھی وقت غرباً ہو سکتے تھے۔

تقبیل تحریک شروع ہو گئی، جسے ”عرب بہار“ کہا جاتا ہے۔

### اخوان کے لیے دروازے کھل گئے

مصری صدر حسن مبارک جووری اور فروری ۲۰۱۴ء میں کمزور پڑنے لگے۔ ٹیکس میں اقلاب کے بعد صریں بھی بہت سے لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ ان کا صدر بھی بہت جانا چاہیے۔ مصر کی اجتماعی تحریک کے ابتدائی دنوں میں جب لاکھوں افراد تحریر اسکوائر میں جمع ہونے لگے تو امریکی حکام کو اصل فرقہ حسنی مبارک کی سلامتی کی تھی۔ تاہم جب یہ اخراجی کہ حکومت غیر مشکم ہو گئی ہے تو مبارک نے اتفاق ایک فوجی بورڈ آف ایئر کیٹر کے پر کر دیا۔

اخوان المسلمون نے جو مصر کی سب سے مطلق جماعت تھی اور سیاسی خلا کو پر کرنے کی کمک طور پر الیت رکھتی تھی، بعد میں مثال کے طور پر اپنے دور صدارت میں، اب امام دعویٰ پر اسلام کی بنیاد پر ستاد اور نہایت دامت پہنچانے تھریک ہے۔ تقریباً ایک عرصے سے امریکا کی ص帮 اول کی قادت میں پھری ہوئی تھی۔ امریکا کو مصر کی تحریک سے بڑھی ہوئی اجتماعی تحریک کا سامنا تھا (جو جمع ۲۵ جنوری ۲۰۱۴ء کو ”یوم غضب“ پر عروج کو پکی)۔ امریکا کو اپنے شدید تحفظات کے باوجود مصر میں ایک اسلام پسند حکومت کے امکان کو ختم رنما دیا۔

کیا اخوان المسلمون کی حکومت مصر کے عوام، شمول غیر اسلامیت عوامی کی ولی خواہشات پر کان و ہرگے کی؟ یا اخوان حکومت اپنے اسلام پسند ایجنسی کے پورا کرنے کے لیے اپنے اقتدار کو ہر یہ ممنوط کرنا چاہے گی؟ ان سوالات کے تنازع میں تب کی امریکی وزیر خارجہ تبلیغی کائنٹن نے ۲۰۱۴ء کے آغاز میں کہا ”تیکس اور مصری مرکوں پر امریکا نے لوگوں کو نہیں کالا تھا، یہ انتہا ہے جسے لائے ہوئے نہیں ہیں، یہ توارے لیے نہیں ہیں، نہ توارے خلاف ہیں۔“ تاہم انہیں نے زور دے کر کہا کہ مصر کی اگلی حکومت کو عوامی امکوں کو پورا کرنے کی ضرورت ہو گی۔

اگلے میہوں کے دوران جب امریکی حلتوں میں یہ تشکیل اجھنے لگی کہ اخوان المسلمون حکومت میں آئتی ہے تو تبلیغی کائنٹن نے متعدد موقع پر کہہ کر کہ اسلام پسند تحریک کے ساتھ معاملہ کرنے کی ضرورت ہے، اخوان المسلمون کے لیے دروازے کھو لئے شروع کیے۔ اس موقع پر کئی سینئر سنارٹ کاروں اور پینٹاگون کے کامن نے بتایا کہ انہیں نے ”متعدد اپوزیشن رہنماؤں کے ساتھ شمول اخوان المسلمون، حوصلہ افزائشگوں کیے۔“ بعد میں جون ۲۰۱۴ء میں امریکی میں یہ بحث دھمکی چلتی رہی بیان مکمل کے ۲۰۱۴ء کی

بیش کے جمہوری آئینہ میں ازم کے بر عکس، صدر اوباما نے اخوان المسلمون اور اسلام ازم کے بارے میں زیادہ ”حقیقت پسنداد“ رائے پائی۔ اپنے اختیاب سے پہلے، اوباما نے اخوان المسلمون کے بارے میں اپنے شبہات کا کھل کر اظہار کیا، اور اسے سیاسی اسلام اور اسلامی پیہم پرستی کا ”یافی“، ”ناقابل انتہا“، ”امریکا خالق سوق پر دن چڑھانے والا“ اور ایسی جماعت قرار دیا ہو۔ اسرائیل کے ساتھ کمپ ڈیوائس مخالفے کا احترام، ”ناجانبیں کرے گی۔“

صدر اوباما کے خیال میں اسلام ازم یا سیاسی اسلام دراصل مسلم سیاست اور ثقافت کا ایک جدید شاخانہ ہے، اور خاص طور پر اسلام کی بنیاد پر ستاد اور نہایت دامت پہنچانے تھریک ہے۔ بعد میں مثال کے طور پر اپنے دور صدارت میں، اب امام دعویٰ اسلام ایک انتہوں میں کہا ”ضورت اس بات کی ہے کہ اسلام بخششت جمیع اسلام کی اس تحریک کو جلیج کرے، اسے الگ تحمل کر کے تھا کرے، اور اپنی کمیونی میں اس موضوع پر ایک زبردست بحث پھیلے کے کہ ایک پہاڑ، جدید معاشرے کے ایک حصے کے طور پر اسلام کس طرح کام کر سکتا ہے۔“ تاہم بیش کے برخلاف اوباما کا یہ خیال تھا کہ اسلام میں یہ مذہبی اور سیاسی تہذیبی پر اپنے نافذ شہنشیں کی جا سکتی نہیں پاہر سے اسے بھیزی وی جا سکتی ہے۔ اس کے بجائے ضروری یہ ہے کہ یہ تبدیلی خود مسلم معاشروں میں سے اور اسلام پریش کے ذریعہ فوائد پذیر ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے امریکی اکابر اور صب اول کے سیاسی حکام اخوان المسلمون اور جدید اسلام ازم کے بارے میں اب امام کے حقیقت پسند اور تنازع کے حاوی ہوتے جا رہے ہیں۔ تاہم اخوان المسلمون کے ساتھ سفارتی تعلقات کے مسئلے پر بہت کم اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ بعض اسلامکار ایسا بھی اس بات کے حاوی ہیں کہ اخوان المسلمون کے ساتھ روابط رکھنے جائیں، ان کا خیال ہے کہ اخوان المسلمون اگر زیادہ آزاد، زیادہ جمہوری سیاسی ماہول میں کام کرے تو یہ اسلام پسند تحریک زیادہ سیکولر، عکیشہ پسند (pluralistic) اور جمہوری ہو جائے گی۔ تاہم وسروں کی رائے ہے کہ اخوان المسلمون کے ساتھ رہا ایسا بنا تھا پاہیزی نہیں ہو گی تا مقید وہ سیکولر ہو جائے اور اپنا عکیشہ پسند تحریک ایجاد کرے۔ جمہوریت کے فروٹ کے اس عنوان کے تحت امریکی سفارت کاروں نے اخوان المسلمون سے متأثر ہونے والی سیاسی اسلام کی مبنی الاقوامی تحریک میں افراد دیگر ملکوں میں اب بھی سرکاری طور پر غیر قانونی ہے۔ امریکا میں یہ بحث دھمکی چلتی رہی بیان مکمل کے ۲۰۱۴ء کی

پایا جاتا تھا چنانچہ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ واشنگٹن کے باش طتوں میں اور اس سے مادر اس سوال پر ایک گرم اگرم بحث چھڑ گئی کہ اخوان المسلمون اور جدید اسلام ازم کے طبع میں اخوان کے تکمیلی کر دیں اور میں اون سے نظرات نہیں ہیں۔ اس سلطے میں امریکا کے علی طتوں اور پالیسی سازوں میں دو بالکل مختلف اقسام نہیں۔

ایک نقطہ نظر یہ تھا کہ جدید سیاسی نظریے اور تحریک کی حیثیت سے اسلام ازم محل مسلم معاشروں تک محدود ہے۔ خاص طور پر اسلام ازم کو (مذہبی کے بجائے) سیاسی قدامت پسندی کی صورت قرار دیا گی، جو مصر میں اخوان اسلامیت سے شروع ہوئی اور دنیا بھر میں کامیابی سے کھیل گئی۔ اسلام ازم اگرچہ مسلم شناخت، احساس محرومی اور ٹکوں سے عبارت تھا تاہم یہ اپنی بنیاد میں کوئی مذہبی تحریک نہ تھا بلکہ اس جزو اس استبداد اور دیگر سیاسی بدعت کا ایک جدید

معاشروں کو مصیبت میں ڈال رکھا تھا۔

اس کے بر عکس بہت سے تحریک کاروں نے نائن الیون حلقوں کو کسی سیاسی نظریے کا نہیں بلکہ خود اسلام کے نظام عتنا کند کا ایک تکمیل اظہار کھانا شروع کر دیا۔ مثال کے طور پر ۲۰۰۰ء کی رینڈ کار پوریشن کی ایک رپورٹ "Civil Democratic Islam" میں عممی سیاسیات کے ماہر Benard Cheshire نے مسلم معاشروں کی جمہوری صورت گری اور ان میں اصلاحات کے مسئلے کو واضح طور پر بکار رہنے میں سے غلب کیا۔ اس کی رائے میں، بنیاد پرست اسلام اور مسلم معاشروں میں عدم جمہوریت کے خطرے سے صرف مذہبی اصلاح یہ دو قوں تھے نہیں جا سکتا ہے۔

ذکر بڑی دعیہ سیاسی اصلاح۔ یہ دو قوں تھے نہیں جا سکتا ہے کہ ساتھ معاملات چلانے کے حوالے سے دو بے حد مختلف پالیسی امداد کے حامل میں جن میں اخوان المسلمون کے ساتھ سفارتی تعلقات بنائے کا ایک نقطہ نظر بھی شامل ہے۔ مثال کے طور پر جاری بیش (جنویز) نے مسلم معاشروں میں جمہوری اصلاحات کے فعالیت کے ساتھ فرد غرزرد دیا۔ اس دور میں بہت سوں کو یہ لیکن تھا کہ اخوان المسلمون جسیں روئیں والی سیاسی جماعت کو بھی جمہوری عمل کے ذریعہ تبدیل کر کے متعارض ہو جائیں۔ جمہوریت کے فروٹ کے اس عنوان کے تحت امریکی سفارت کاروں نے اخوان المسلمون سے متأثر ہونے والی سیاسی اسلام کی مبنی الاقوامی تحریک میں افراد دیگر ملکوں میں اب بھی سرکاری طور پر غیر قانونی ہے۔ اور گرے پوسٹ رسانی حاصل کرنے کی اسروں کو شکیں کیں۔

حکام نے اس تصور کو آگے بڑھایا کہ اخوان المسلمون کی منتخب حکومت کے ساتھ تعاون کر کے اور عذر آف مل کر کے ایک نئو بنیادی جاماعتی ہے، جس کو حکام میں لا اگر بقیہ دیا میں پر تخدید اسلامی تحریکوں کے پھیلا کر دکھانے جا سکتا ہے۔ اس طبقے میں فخر برائے شرق قریب کے انتہا پسندی سکریٹری جنرلی میں نے کہا:

”ہم جانتے ہیں کہ مذہبی عقائد کی بنیاد پر بننے والی جماعتیں اپنا بڑا کردار ادا کریں گی۔ ہم نہیں جانتے کہ ان ملکوں کی کی خصوصیں، پارلیمنتوں، اور رسول موسیٰ کی کے ساتھ امریکا کے طویل مدت میں کیسے تعلقات ہوں گے۔ تاہم یہ جانتے ہیں کہ اسی شرائیں ہنانا اور برقرار رخ امریکا کے لیے ضروری ہو گئیں ہیں سے ہمارے مفاہمات کا تحفظ ہوتا ہو، اور تھانگ کو پی خرچی کا رخ دیئے اور ان پر اثر انداز ہونے میں وہ شراکتیں ہمارے کام آئیں۔“

پر تندید انجمن پسندی کا مقابلہ رکنے کے لیے بھترین راستہ یہ ہے کہ جائز اور قانونی حکومتوں سے تعاون کیا جائے۔ یونیورسیٹی اور امریکا کا مقابلہ انتداب موقوف کی گئی تھی اور امریکا مسلسل اسکی معلومات جمع کر کے ان کی جامع گرہا تھا، جن سے اس امر پر روشنی پڑتی ہو کہ اخوان المسلمون نے کیا کہا اور کیا کیا۔ اس وقت مصر میں امریکی سفیر این پیپرنس کے بیانات یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ امریکا کو اخوان المسلمون پر اعتبار نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکا کو اپنی ان توقعات کے پورا ہوئے کا بھی یقین نہیں تھا کہ اگر وہ (یعنی امریکا) درست پالیسی اختیار کر لے تو مصر کی اسلامی تحریک زیادہ اعتدال پسند اور جمہوری بن سکتی ہے۔ امریکی سفیر نے ۲۰۱۴ء میں کہا کہ وہ ”اس حوالے سے اب تک ذاتی طور پر اتنی مطمئن نہیں ہیں کہ اخوان معاشری آزادی پر اپنے وعدے کو پورا کریں گے۔“ انہیں اخوان المسلمون کے ”خواتین کے حقوق کے حوالے سے کم لمب موقوف“ اور اسرائیل کے ساتھ ایک ایسا معاہدے پر اخوان کی پوزیشن پر بھی تشویش تھی۔

اک دورے میں امریکا عالمی اسلامی اور ملکی مسائل شمول اقتصادی مسائل پر اخوان المسلمون اور اس کے رہنماؤں میں ”اعتدال“ کی علامات دیکھ کر کافی محسن تھا۔ نومبر ۲۰۱۳ء میں غدرہ تازع کے دوران اخوان نے حمال پر دباؤ ڈال کر اسے باز رکھا تو امریکی بھروسے نے اسے ”مثبت“ اقدام قرار دیا۔ اس کے جواب میں مصر کو امریکا سے وہی امداد اور تعاون ملتا رہا، جو حصی مبارک دور میں دیا جا رہا تھا۔ شان کے طور پر ۵۰٪ امریکہ اور بطور فوجی امداد مصر کو لیتی رہی۔

پھر جولائی ۲۰۱۴ء میں قاہرہ میں بھی شدید ہوئے گی اور اخوان نے چاہا کہ مصری فون سے زیادہ طاقت اکٹھی کر لی جائے تو امریکی حکام نے ممکنہ فوجی تعاوں پر سر عام آتششویش کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ جب تبتک حکومت اور فون میں طاقت

انتہا پسندوں کو منتقل ہو جائے اور وہ انجینیئری پھیلا کیں۔

امریکا تین عشروں تک مبارک پالیسی پر عمل کرتا رہا۔ اب تیس مبارک دور سے آگے دیکھنا ہو گا اور ایک مصری پالیسی بنائی ہو گی۔

اس پورے عرصے کے دوران ایسا لگتا تھا کہ امریکی حکام مصر میں بھی جنگوں کا سامان کرنے کے لیے امریکی پالیسی میں اصلاح کی ضرورت پر جتنا زیادہ زور دے رہے ہیں، اخوان المسلمون کے بارے میں بحث اتنی ہی پس منظر میں جا رہی ہے۔ گویا جسے ہاتھ نے اخوان المسلمون یا اسلام پسندوں کا سوال امریکی انتظامیہ کی نظر وہ سے اجھل کر دیا۔

\*\*\*\*

مصر کے پارلیمنٹی اور صدارتی انتخابات ۲۰۱۴ء میں اخوان المسلمون کی کامیابیوں کے بعد امریکیوں کو سب سے زیادہ لگری اس بات کی تھی کہ اخوان حکومت نظر میں ان کے مفاہمات کو تقصیان پہنچائے گی۔ عرب دنیا میں آگ بھڑکی ہوئی تھی اور امریکا مسلسل اسکی معلومات جمع کر کے ان کی

چامچ کر رہا تھا، جن سے اس امر پر روشنی پڑتی ہو کہ اخوان المسلمون نے کیا کہا اور کیا کیا۔ اس وقت امریکی سفیر این پیپرنس کے بیانات یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ امریکا کو اخوان المسلمون پر اعتبار نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکا کو اپنی ان توقعات کے پورا ہوئے کا بھی یقین نہیں تھا کہ اگر وہ (یعنی امریکا) درست پالیسی اختیار کر لے تو مصر کی اسلامی تحریک زیادہ اعتدال پسند اور جمہوری بن سکتی ہے۔ امریکی سفیر نے ۲۰۱۴ء میں کہا کہ وہ ”اس حوالے سے اب تک ذاتی طور پر اتنی مطمئن نہیں ہیں کہ اخوان معاشری

آزادی پر اپنے وعدے کو پورا کریں گے۔“ انہیں اخوان المسلمون کے ”خواتین کے حقوق کے حقوق کے حوالے سے کم لمب موقوف“ اور اسرائیل کے ساتھ ایک ایسا معاہدے پر اخوان کی پوزیشن پر بھی تشویش تھی۔

اس سے قلع نظر، امریکا کی سفارتی پالیسی بھی تھی کہ اخوان المسلمون کے ساتھ تعلقات رکھے جائیں۔ وہی خانجہ جان کیروی نے اخوان کی توقعات تسلیم کیں، اور قاہرہ میں امریکی سفارت کاروں نے واضح کیا کہ وہ ”جیتنے والی جماعت“ کے ساتھ کاروں کو کام رکرے کو تباہ ہیں۔

امریکا کی پوزیشن اس طرح واضح کی:

”مصر میں بدلتے ہوئے سیاسی مظاہر نے کے پیش نظر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بات امریکا کے مظاہر میں ہے کہ ان تمام فریقوں کے ساتھ رواہی استوار کیے جائیں، جو پہلے اسکی میں اور عدم تندید پر عمل پھرائیں، جو پارلیمنٹی اور صدارتی انتخاب میں حصہ لینا چاہیے ہے۔ چنانچہ ہم اخوان المسلمون کے ان ارکان کے ساتھ کامل کرنا چاہتے ہیں جو ہم سے بات جیت کے لیے تیار ہیں۔“

اوپاما انتظامیہ کی طرف سے اسلام پسندوں پر سفارتی دروازے کو ٹھوک لے کا لازمی مطلب یقہا کہ امریکا نے اپنی میں مشرق و سطح کی بعض ریاستوں میں استبدادی حکمرانوں کو جو مدد اور تعاون فراہم کیا تھا، اس تعمید کا خاتمہ جاتیا جا کے۔ چنانچہ نومبر ۲۰۱۴ء میں ہلیری کلینٹن نے اعتراف کیا کہ ”امریکیوں کے بعد بننے والے وزیر خارجہ جان کیروی قبول کرنے ہو گا جن سے وہ گیریز ان رہنا چاہتے تھے، ان انتہا پسندوں کو (قبول کرنے ہو گا) جن سے وہ خوف زد تھے۔“ اکثر وہی شوخ دہم نے بھی اسی بیانیے کو قبول کیا ہے۔

ہلیری کلینٹن کے بعد بننے والے وزیر خارجہ جان کیروی نے اس پالیسی کو آگے بڑھایا اور کہا: ”لڑکوں ہفتے کے واقعات کے ساتھ اسے پیش نظر بعض لوگ امریکا پر نکل جائیں کر رہے ہیں کہ اس نے مصر کی (سابقہ) حکومت کو برداشت کیا۔ یہ بات حقیقت ہے کہ ہمارا عوامی بیانیہ ہمارے ٹھی معاملات سے بہت طاقتی نہیں رکھتا۔ لیکن اس بات کی حقیقت پسنداد تو یہ بھی موجود ہے کہ ہمارے تعلقات سے امریکی خارجہ پالیسی کو فاکرہ پہنچا اور خلیے میں اس کو فروغ ملا۔

مصر کی فوجی حکومت کو طویل عرصے تک مالی مدد دینا ہمارے احتیاج پر ہا۔ اس کا ثبوت اختتام ہندو یکھا گیا: آنسو گیس کے ہوکٹر مظاہرین پر فائز کیے گئے کہ ان پر ”ساختہ امریکا“ (Made In America) لکھا تھا امریکا کے دیے ہوئے ایک ۱۶ جیٹ لڑاکا طیاروں نے مرکزی قاہرہ پر پروازیں کیں۔ کامگیریں اور اوپاما انتظامیہ کو چاہیے کہ سولین امداد میا کریں جس سے مصر میں ملازٹیں فراہم ہوں اور سماجی صورت حال میں بہتری آئے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی خاتمت ہے کہ امریکا کی فوجی امداد اپنے ابادف پورے کرے۔

اگر ہماری دوست حکومتیں خود اپنے عوام کے غم و غصے کے زور پر گرفتی رہیں اور ہم یہ دیکھتے رہیں تو ہمارے مفاہمات پورے نہیں ہوں گے، زندگی اس طرح پورے ہوں گے کہ حکومت

۱۹۴۰ء سے قبل والی سیاسی کشیدگی کی صورتحال سے دوچار ہو سکتا ہے۔ کویت کے اندر وافی حالات کا تمام تھا خسار پوری طرح ہے ولی عجب ہر ہو گا، جس کے لیے امیر صباح کے میئے ناصرہ اپنی پوزیشن کو کافی منبسط کیا ہے، لیکن شیخ ناصر کو جو سچی حمایت الصیاد خاندان اور کوئی عوام کی جانب سے حاصل ہے، وہ خط کے سچی سیاسی تناظر میں ان کے لیے کافی نہیں۔ شیخ ناصر کا بہت احترام کیا جاتا ہے لیکن سچے امیر نواف کی جانب سے اپنی مرضی کا ولی عہد لگانے کے اصرار پر ان کی راہ میں رکاوٹ آسکتی ہے۔ اس دوران بڑی طاقتیں بھی باحوال کو خراب کر سکتی ہیں۔ کویت ہماری ایک اور ترویری ایک انتبار سے خط میں کشیدہ تعلقات رکھتے والے ممالک کے درمیان واقع ہے، ایران اور قطر سے خلیج ممالک کے تعلقات کافی کشیدہ ہیں۔ کویت کی حق تیادت کوئین حصوں میں تقسیم ہیں خط ملے گا، ایک حصہ تو سعودی عرب اور جہوری عطا دوسرے حصے میں قطر اور دیگر ممالک ہیں اور تیسرا حصہ درمیان میں ہے، جہاں کویت اور اوان جیسے ممالک کو شکر ہے میں کہ کسی طرح علیحدگی ممالک کو ایک بار پھر متعدد کر دیا جائے۔ اوان کے سربراہ کی عمر بھی کافی ہے اور جہاں بھی جانشی کا قیبلہ ہوتا ہے، اگر کویت اور اوان میں بھی غیر متوازن خصیصت حکمران ہی تو خطے میں کشیدہ صورتحال میں مزید اضافہ ہو گا اور کویت ایک بار پھر اپنے پروپیوں کے لیے آسان پُف بن جائے گا۔ کویت خطے میں ایک زبردست طاقت اتحادی بھی ہے، سیکل سے امریکی فتحایہ عراق اور عثمانیکی کارروائیاں سرخجام دیتی ہے، آن کے بدلتے ماحول کے باوجود ۱۹۹۰ء میں امریکی سربراہی میں عراق سے آزادی کی جگہ خطے میں واشنگٹن کے عزم کی ایک مثال ہے۔ کویت اب بھی سعودی عرب، امارات اور بحرین کے ریکس طیار اور اسرائیل کو ایک کرنے کی ٹرمپ انتظامی کی کوئی خوشیوں سے دور احتیار کیے ہوئے ہے، یہاں تک کہ قطر اور اوان جیسے ممالک بھی اسرائیل کے ساتھ سیاسی تعلقات استوار کر چکے ہیں، اس صورتحال کے باوجود امریکا کو مقامی سیاست میں لوٹ نہیں ہونا پا چکے ہیں، یہ کویت اور سچے جانشی کے لیے لفڑان دہ ہو گا، اس کے بعد ایک کو جانشی کے انتساب کے دوران خطے میں ایک محکم ماحد فرائم کرنا ہو گا تاکہ یہ عمل خود تجوہ کمل ہو جائے۔ (ترجمہ: سید طالوت اختر)

"Kuwait: A changing system under stress". ("washingtoninstitute.org"). October 2019.

کو باشاط اعلان کیا کہ امریکا اخوان المسلمون کو دیوبخت گرد قرار نہیں دے گا۔ انہوں نے کہا کہ واشنگٹن مصر میں تمام جماعتوں پر ہشیل اخوان المسلمون، کے ساتھ کام کرتا رہے گا۔ بظاہر، امریکا مصر میں اخوان المسلمون کے حوالے سے انتقام کرنا اور وہ کوئی پالیسی اپنائتا ہے۔ اگر امریکا اپنا کرتا ہے تو بہت کچھ اخشار اس بات پر ہو گا کہ مصر میں اخوان المسلمون کے پچھے کچھ اجزا ایسے سیاسی نظام میں اپنی بنا جا رکھتے ہیں جو بندوقی پابند اور ظالمانہ ہوتا جا رہا ہے۔ اخوان المسلمون کی قیادت کو ترکی کی صورت میں ایک پلیٹ فارم لگایا ہے تا بھروسہ مصر کے اندر اخوان المسلمون کو زیر نہیں جانے پر تجوہ کر دیا گیا ہے۔ اس صورت حال میں یہ واشنگٹن ہے کہ کوئی داخلی تحریک یا مصر کے اندر یا باہر سے کوئی حوصلہ افرادی اخوان المسلمون کو سکول ہونے پر تجوہ کر رہی ہے، جو اسے ایک زیادہ تکمیر پسند اور جہوری چیز ہے اور قائم کرے۔ سیسی کے در حکومت میں اخوان المسلمون کے بعض عناصر نے تشدد کا راستہ اپنالیا ہے (جیسا کہ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں در ایالتیں اپنالیا گیا تھا)۔ مستقبل میں یہ بھی ممکن ہے کہ مصر میں اخوان المسلمون ایک زبردست طاقت کے طور پر اپنے۔ ایسا ہوا تو اخوان المسلمون اور اس کے برادر اسلام کے سیاسی اسلام کے بارے میں پرانی امریکی بخشیں ایک بار پھر تازہ ہو جائیں گی۔ (ترجمہ: سوسن احمد) "The unfinished history between America and the Muslim Brotherhood". ("s3.amazonaws.com"). July 2019.

**باقیہ:** کویت میں بدلتا ہوا نظام و باقی میں خاموشی، غارت کاری، پالیسی پر یقین نہیں رکھتی، سے پرانا طریق کارہے، جہاں تمازغات کا قیلمہ بندروں اور زوں کے پیچھے ہو جاتا تھا اور زوں کی کمی، بات آخری حکم کا درج رکھتی تھی، اب خلیج ممالک کی نوجوان قیادت اس طریقہ پر عمل کرنے کو تیار نہیں، ایک ایسے وقت میں جب خلیج ممالک میں اختلافات بہت زیادہ ہوں، پھر کچھ ہیں اور جیسی تحریک تقسم ہے، امیر صباح کا پلے جانا خطے میں اعتماد پسند ہاشمی کے کرو رکھا جاتا ہو گا۔ امیر صباح کے بعد اگلا کوئی عالم میں ایک غلط موز مڑ گیا ہے۔ تاہم انہوں نے کہ مصر کا انقلاب ایک غلط موز مڑ گیا ہے۔ فاہری، جن میں مظاہرے کرنے والے اخوانیوں پر زبردست تشدد کیا گیا، گرفتاریاں ہوئیں، پرنس اور سول سو سائی اور اپوزیشن پارٹیوں پر پابندیاں عائد کی گئیں، اور ملک میں امیر بھسپی کی حالت کو تو سچ دی گئی۔

مصری حکومت کی جانب سے ستمبر ۲۰۱۳ء میں اخوان المسلمون کو دیوبخت گرد تنظیم قرار دیے جانے کے باوجود امریکی مکار خارجی کی تہ بھان ماری ہرف نے ۲۰۱۴ء فروری میں اخوان کے چند روز بعد صدر اوابامے کیا: "ہمیں مصر کی مسلیخ افواج کے اس فیلے پر گہری تشویش ہے کہ صدر مریٰ کو بر طرف اور مصر کے آئین کو مظلل کیا جائے۔ اب میں مصر کی قوی سے مطالہ کرتا ہوں کہ فوری اور ذمہ داری کے ساتھ کامل انتہائی تجوہی طور پر منتسب سولین حکومت کو جلد از جلد وابس کر دے اور اس کے لیے شمولیت اور شفاف طریقہ کار اپنائے، اور صدر مریٰ اور ان کے حامیوں کی گرفتاری سے بارہ رہے۔ آئن کی صورت حال کے تناظر میں، میں نے مختلف مخلقوں اور اداروں کو بھی ہدایات دے دی ہیں کہ حکومت مصر کو ہماری امداد کے ضمادات کا امریکی قانون سے تکمیل چاہ رہا ہے۔ امریکا بستر اس پتھرے پر قائم ہے کہ مصر میں پانیزہ انتظام کے لیے بہترین بنیاد ایک جہوری سیاسی نظام ہے، جس میں تمام اطراف سے اور تمام سیاسی جماعتوں کی حصہ داری شامل ہو، سیکولر اور مذہبی جماعتیں، سولین اور فوجی۔

تو ہمیں بغاوت اور صدر عبدالفتاح سیسی کے انتخاب کے بعد امریکا نے سیسی حکومت کے ساتھ تعلقات بنانا چاہا ہے اور اخوان المسلمون پر بھی اپنے رو اور بندوق کیے۔ یا امریکی سفارت کاروں کے لیے ایک پیچیدہ مسئلہ تھا، اس لیے کہ فوجی حکومت نے اخوان المسلمون کو دیوبخت گرد قرار دے دیا تھا۔ ایک امریکی اعلیٰ اہلکار لا تھے جو نہ صدر مریٰ پر انتظام لگایا کہ وہ ملک پر شمولیت حکومت کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے اور اس کی صلاحیت رکھتے تھے جس کے سبب بہت سے مصری ان سے برگشتہ ہو گئے۔ عبوری حکومت نے مصر کے لاکھوں عوام کی امکنیوں کو پورا کیا ہے کیونکہ ان عوام کا خیال تھا کہ مصر کا انقلاب ایک غلط موز مڑ گیا ہے۔ تاہم انہوں نے ۳ جولائی کے واقعہات اور وسط اگست کے تشدد پر بھی تشویش ناہر کی، جن میں مظاہرے کرنے والے اخوانیوں پر زبردست تشدد کیا گیا، گرفتاریاں ہوئیں، پرنس اور سول سو سائی اور اپوزیشن پارٹیوں پر پابندیاں عائد کی گئیں، اور ملک میں امیر بھسپی کی حالت کو تو سچ دی گئی۔

مصری حکومت کی جانب سے ستمبر ۲۰۱۳ء میں اخوان المسلمون کو دیوبخت گرد تنظیم قرار دیے جانے کے باوجود امریکی مکار خارجی کی تہ بھان ماری ہرف نے ۲۰۱۴ء فروری میں اخوان



# قاسم سلیمانی کا قتل، امریکا کی ایک اور غلطی

**James M. Dorsey**

کرنے پر بوجہ دی اور سفارت کاری کا سہارا لیا۔ یورپی پارلیمنٹ کی خارجہ امور کمیٹی میں سو شلیڈ بیوکر نیٹس کے شیر ایڈوارڈز ڈیف کیتے ہیں کہ اب تک ایران کی حکمت عملی کا میاب رہی ہے۔ مشرق وسطیٰ کے میدان میں وہ کھلاڑیوں کو اپنی مرضی کے مقابل حرکت دینے میں کامیاب رہا ہے۔

امریکی حملہ میں قاسم سلیمانی کی بلاکت سفارت خانہ کا علاقوائی جیلوں کی طرف سے بھی بھرپور تباہی اب تک حاصل نہیں ہو پائی۔ صرف اسرائیل نے ہال کر اس حملے کو سراہا ہے۔ سعودی عرب اور تندہ غرب امارات نے تھلیٰ سے کام لینے پر زور دیا ہے۔

ایران اب ایک ایسی جگہ لڑ رہا ہے، جس میں بہت آنکھ اس کے حق میں ہے۔ وہ کسی بھی کارروائی کا جواب دینے میں ذہانت سے کام لے رہا ہے۔ اس حوالے سے تحریک ضروری جوش و خروش و کھائی نہیں دے رہا۔ قاسم سلیمانی کے قتل کا انقام لینے کے حوالے سے ایسا نیادت پر غیر معمول دباؤ ہے، تاہم وہ اسی کوئی کارروائی کرنا چاہتی ہے، جس کے جواب میں امریکا کوئی حد تھی تو یعنی تباہی کا اقدام کر کے پھر جاں میں پھنس جائے۔ ایرانی امور کی باہر بینا اسند یاری کیتی ہے۔ کہ ایرانی قیادت کوئی بھی قدم بہت سوچ نہ کر رکھا ہے۔ وہ کامل اور کھلی جگہ لئے کی پوزیشن میں نہیں۔ ایسی کوئی بھی جگہ اسے تباہت سے دوچار کرے گی۔ ایسے میں وھی جیسی جگہ ہر تین طریقیات واردات ہے۔

ایرانی شدت پسندوں کے لیے سامان تقویت

ایران میں آنکھہ مادہ پارلیمنٹی اختیارات ہو رہے ہیں۔ امریکا کے باصول قاسم سلیمانی کی بلاکت نے شدت پسندوں کو وہ سب کچھ دے دیا ہے جس کی انتہی اشد ضرورت تھی۔ امریکا ایک زمانے سے پہلیت کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے کہ ایران میں انتقال اور جدید حکومت پسند تباہت سے دوچار ہوں اور اعتدال پسندوں کو عوامی تھیب ہو۔ تیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے اقدامات سے ایران میں شدت پسند تقویت پاڑتے رہے ہیں۔ ۱۵-۲۰۲۰ء میں جو ہر معابرے کے بعد یہ سوچا جانے لگا تھا کہ اب امریکا یا اسے اقدامات کرے گا جن سے ایران میں اعتدال پسندوں کے اختار کی راہ ہموار ہو۔

تب دلیلیٰ کا راستہ بند

امریکی صدر کے سابق مشیر برائے قوی سلامتی جان لوٹنے کے لیے بار بھر امریکی بوف کوٹشت اذ بام کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قاسم سلیمانی کی بلاکت سے ایران میں شدت پسندوں

سامنگوں (وینام) میں بھی ایسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا

پڑا تھا اور پھر ۱۹۷۸ء میں ایرانی انقلاب کے پریا ہونے کے بعد تہران میں امریکی سفارت خانہ کا ۱۹۷۸ء دن تک حاصلہ کیا گیا تھا جو بالآخر امریکا کے اخراج پر ہوتا ہے۔

عراق میں جگہ کے نام پر واٹل ہونے کے بعد سے امریکا کو اب تک ایک ہزار ارب ڈالر سے زیادہ کا خسارہ برداشت کرنا پڑا ہے۔ اس کے باوجود اب اسے وہاں سے انخلا کا سامنا ہو سکتا ہے۔ عراقی پارلیمنٹ کی اتفاق کے انخلا کے لیے قرارداد لانے اور اس کی تبلیغیت میں ناکامی کی صورت میں ایرانی سیاست کی حرکیات تھیں میں ناکامی کی صورت میں امریکی پالیسی ساز ایسا بہت کچھ کر جاتے ہیں، جو انہیں اپنے ابداف سے بہت درد لے جاتا ہے۔ ایک زمانے سے امریکا اس کوشش میں مصروف ہے کہ ایران میں رجعت پسندوں کو ٹھکست دے کر نظام حکومت تبدیل کرے اور اعتدال پسندوں کے اختار کی راہ ہموار کرے۔ اس مقصد کا برملا اطمینان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ یہ ایک بنیادی غلطی ہے، جو ایرانیوں کو امریکا سے مزید دور کرنے کا سبب بنتی ہے۔ قاسم سلیمانی کے قتل سے یہ بات بھی مزید واضح ہو گئی ہے کہ امریکا کی عشروں کی ناکامی کے بعد بھی ایران کے حوالے سے اپنی پالیسی جدی نہیں کی ہے۔

قاسم سلیمانی کے قتل سے زمپ اتفاقیہ ظاہر ایران کے پچھے ہوئے جاں میں بھنس گئی ہے اور اس کیلیں میں ایران اپنی مرضی کے مطابق آئے ہوئے ہیں۔ ایرانی حکومت یافتہ میں سر زمین پر لے رہا تھا اپنی دشواریوں جاتا۔

سعودی عرب کی بدحواسی ہوئے پیشتر معاملات میں ہیطہ و جعل سے کام لینے کی تلقین کی ہے۔ وہ بہت کچھ کر سکتے تھے مگر نہیں کیا۔ اگر وہ امریکی اتفاق کو تکان لے کافوئی جاری کر دیتے تو امریکیوں کے لیے عراقی

کوشش میں پر لے رہا تھا اپنی دشواریوں جاتا۔ اس لیا اسے ایران کی طرف سے نشانہ نہیں بجا یا جائے گا۔

عراقی شیعوں کے پریم لیدر آیت اللہ علی السیستانی ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے کروار کو محروم رکھتے ہوئے پیشتر معاملات میں ہیطہ و جعل سے کام لینے کی تلقین کی ہے۔ وہ بہت کچھ کر سکتے تھے مگر نہیں کیا۔ اگر وہ امریکی اتفاق سر زمین پر لے رہا تھا اپنی دشواریوں جاتا۔

سعودی عرب کی بدحواسی

سعودی قیادت ظاہر بدوکھ اسی کا فکار ہے۔ گزشتہ تیرباری میں سعودی عرب میں جیل کی ودیوی تھیبیات پر ہوئے ہوئے۔ یہ بات کہنی ناہت ہو گئی کہ ایرانی مدد کے بغیر یہ حل ممکن نہیں ہو سکتے تھے۔ ان حملوں کے حوالے سے امریکا نے وہ ریپاپس نہیں دیا جس کی توقی کی جاری تھی اور ضرورت بھی تھی۔ صدر رمپ کو تباہی کا فکار و کھائی دیے۔ اور پھر ایرانیوں نے امریکی فوجی ڈرون بھی مار گرایا۔ سعودیوں کو یہ سمجھنے میں درج نہیں گئی کہ معاملات ان کے حق میں نہیں اور کشیدگی کا گراف یقیقہ لانے کے حوالے سے کچھ دیکھ کر نہیں اور پڑے گا۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ امریکا ان کی مدد کے لیے آئے نہیں ہے گا تو انہوں نے ایران سے معاملات ورست

محب جزوی قاسم سلیمانی کے قتل سے ایران میں شدت پسندوں کوئی زندگی نہیں ہے اور وہ آنکھہ مادہ کے عام انتخابات میں بھرپور کامیاب حاصل کرنے کی پوزیشن میں آگئے ہیں۔

قاسم سلیمانی کے قتل سے ایک بار پھر یہ بات پائی ہے کہ امریکا کو ایک اونٹ میں تو خاص مہارت حاصل ہو یہی ہے، اور وہ فن ہے ایرانی شدت پسندوں کو مضبوط کرنے کا۔

ایرانی سیاست کی حرکیات تھیں میں ناکامی کی صورت میں امریکی پالیسی ساز ایسا بہت کچھ کر جاتے ہیں، جو انہیں اپنے ابداف سے بہت درد لے جاتا ہے۔ ایک زمانے سے امریکا اس کوشش میں مصروف ہے کہ ایران میں رجعت پسندوں کو ٹھکست دے کر نظام حکومت تبدیل کرے اور اعتدال پسندوں کے اختار کی راہ ہموار کرے۔ اس مقصد کا برملا اطمینان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ یہ ایک بنیادی غلطی ہے، جو ایرانیوں کو امریکا سے مزید دور کرنے کا سبب بنتی ہے۔

ایرانی شدت پسندوں کے قتل سے یہ بات بھی مزید واضح ہو گئی ہے کہ امریکا کی ناکامی کے بعد بھی ایران کے حوالے سے اپنی پالیسی جدی نہیں کی ہے۔

قاسم سلیمانی کے قتل سے زمپ اتفاقیہ ظاہر ایران کے پچھے ہوئے جاں میں بھنس گئی ہے اور اس کیلیں میں ایران اپنی مرضی کے مطابق آئے ہوئے ہیں۔ ایرانی حکومت یافتہ میں سر زمین پر لے رہا تھا اپنی دشواریوں جاتا۔

سعودی عرب کی بدحواسی

سعودی قیادت ظاہر بدوکھ اسی کا فکار ہے۔ گزشتہ تیرباری میں سر زمین پر حملہ میں میلیشا کے سربراہ عبدالجہدی المهدی کے ساتھ ایرانی محب جزوی قاسم سلیمانی کی بھی موت واقع ہوئی۔ ایران نے کثریکیلر کی بلاکت کے ذریعے جو صورت حال پیدا کی اس نے بخدا میں امریکی سفارت خانے کے محاصرے کی راہ ہموار کی۔ امریکا کو ۱۹۷۵ء میں